ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

43

www.tanzeem.org

8 تا 14 صفر المظفر 1438ھ/8 تا 14 نومبر 2016ء

پناہ کا واحد راستہ

میری رائے میں پاکستان کی بقا صرف اسلامی انقلاب میں ہے۔ البتہ جب تک کوئی انقلاب نہیں آتا، جمہوریت ہونی چاہیے، ورنہ چھوٹے صوبوں کے اندر احساس محرومی بڑھے گا۔ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ہو، جمہوری حقوق حاصل ہوں، مطالبوں کے لیے جلسے کریں، جلوس نکالیں تو غبار اندر سے نکل جاتا ہے، بھڑاس نکل جاتی ہے، ورنہ لاوا اندر ہی اندر پک کر پھٹ پڑتا ہے۔ البتہ ہمارے لیے پناہ کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم اسلام کی طرف پیش قدمی کریں۔ کسی بلند تر مقصد کے لیے انسان چھوٹے مفادات کی قربانی دے دیتا ہے۔ جب کوئی مقصد سامنے نہ ہو تو پھر مفادات اور مصلحتیں ہی رہ جائیں گی اور ان میں ٹکراؤ تو ہونا ہی ہے۔ ہماری محرومی ہے کہ ہم اسلام کی طرف سوچنے کو تیار ہی نہیں۔ خدارا سوچیے! وہ مقصد کہاں ہے جس کے لیے پاکستان بنایا تھا؟ نوجوان نسل سوال کرتی ہے کہ پاکستان کیوں بنایا تھا؟ جو ماحول بھارت میں ہے، وہی یہاں ہے۔ بینکنگ کا وہی نظام وہاں بھی ہے جو یہاں ہے۔ وہی ملٹی نیشنل تنظیمیں وہاں بھی ہیں، یہاں بھی ہیں۔ مسجدیں وہاں بھی ہیں، یہاں بھی ہیں۔ پھر آخر کیوں اتنی جانیں دے کر اور عصمتیں لٹا کر پاکستان بنوایا۔ میرے نزدیک ہمارے مسائل کا حل صرف توبہ میں ہے۔ انفرادی توبہ یہ ہے کہ اپنے کردار سے خلافِ شریعت کاموں کو نکال دیا جائے۔ دوسری ہے اجتماعی توبہ۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم ایسا کر لیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آجائے گی اور قوم یونسؑ کی طرح اللہ تعالیٰ ہماری توبہ قبول فرما لے گا۔ قوم یونسؑ پر عذاب کے آثار شروع ہو گئے تھے لیکن انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے ان پر سے عذاب ٹال دیا۔

بصائر

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

اس شمارے میں

جنت نظیر دنیا

انسان گرفت میں ہے

بھیڑ چال

قتل غیرت: اسلامی نقطۂ نظر

جوڈیشل کمیشن: پی ٹی آئی کی کامیابی یا کچھ اور؟

ایک ماڈرن صوفی کی کہانی!

ڈاکٹر اسرار احمد مرحومؒ
معاصر علماء اور مشاہیر کی نظر میں

ہم سفر و ہم خیال

Quetta Carnage:
Who is to blame?

کافروں کی کٹ حجتیاں

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

سُورۃُ الکھف | بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ | آیات: 56, 57

وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا ﴿۵۶﴾ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی فَلَنۡ یَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

آیت ۵۶ ﴿وَمَا نُرۡسِلُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ اِلَّا مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ ۚ﴾ ’’اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے (بنا کر)‘‘

﴿وَیُجَادِلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِالۡبَاطِلِ لِیُدۡحِضُوۡا بِهِ الۡحَقَّ﴾ ’’اور یہ کافر لوگ جھگڑتے ہیں جھوٹ کی طرف سے تاکہ بچلا دیں اس کے ساتھ حق کو‘‘

یہ لوگ باطل کے ساتھ کھڑے ہو کر حق کو شکست دینے کے لیے مناظرے اور کٹ حجتیاں کر رہے ہیں۔

﴿وَاتَّخَذُوۡۤا اٰیٰتِیۡ وَمَاۤ اُنۡذِرُوۡا هُزُوًا ﴿۵۶﴾﴾ ’’اور انہوں نے میری آیات کو اور (اس چیز کو) جس کے ساتھ انہیں خبردار کیا گیا تھا مذاق بنا لیا ہے۔‘‘

آیت ۵۷ ﴿وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتۡ یَدٰهُ ؕ﴾ ’’اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے نصیحت کی گئی ہو اُس کے رب کی آیات کے ذریعے‘ تو اس نے اعراض کیا اُن سے اور وہ بھول گیا کہ کیا آگے بھیجا ہے اس کے دونوں ہاتھوں نے۔‘‘

بجائے ایمان لانے کے اور اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنے کے اس نے اللہ کی آیات سے روگردانی کی روش اپنائے رکھی۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی میں وہ اپنے اعمال کے اس جھاڑ جھنکاڑ کو بھی بھول گیا جو اُس نے اپنی آخرت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

﴿اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اَکِنَّةً اَنۡ یَّفۡقَهُوۡهُ وَفِیۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا ؕ﴾ ’’یقیناً ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا ہے)۔‘‘

﴿وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَی الۡهُدٰی فَلَنۡ یَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾﴾ ’’اور اگر چہ آپؐ بلائیں انہیں ہدایت کی طرف تب بھی وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔‘‘

کیونکہ حق واضح ہو جانے کے بعد ان کی مسلسل ہٹ دھرمی کے سبب ان کے دلوں پر مہریں لگ چکی ہیں اور اس طرح وہ اللہ کے قانونِ ہدایت وضلالت کی آخری دفعہ کی زد میں آ چکے ہیں جس کے تحت جان بوجھ کر حق سے اعراض کرنے والے کو ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

فرمانِ نبویؐ

دین کیا ہے؟

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ ایک دن لوگوں کے سامنے تشریف فرما تھے۔ اتنے میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ایمان کیا چیز ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’ایمان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس سے ملنے کا، اس کے پیغمبروں کا اور حشر کا یقین رکھو۔‘‘ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ اسلام کیا ہے؟ فرمایا: ’’اسلام یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، فرض نماز پابندی سے پڑھو، فرض کی گئی زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔‘‘ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ احسان کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا: ’’احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔‘‘ اس نے عرض کیا قیامت کب ہوگی؟ ارشاد فرمایا جس سے سوال کیا گیا ہے، وہ سوال کرنے والے سے اس بات کا زیادہ جاننے والا نہیں ہے، ہاں میں تمہیں اس کی علامات بتاتا ہوں: جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی، یہ قیامت کی علامات میں سے ہے، جب ننگے بدن اور ننگے پاؤں رہنے والے لوگوں کے سردار ہو جائیں گے تو یہ قیامت کی علامت ہے، جب اونٹوں کے چرواہے اونچی اونچی عمارتیں بنا کر فخر کریں گے تو یہ قیامت کی علامات میں سے ہے، قیامت کا علم ان پانچ چیزوں میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت مبارکہ تلاوت فرمائی (اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ) (لقمان:34) پھر وہ شخص پشت پھیر کر چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس کو واپس لاؤ‘‘۔ لوگوں نے اس کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ جبرائیل آئے تھے تاکہ لوگوں کو ان کا دین سکھائیں‘‘۔ (متفق علیہ)

ہفت روزہ
لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان، نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

8 تا 14 صفر المظفر 1438ھ جلد 25
8 تا 14 نومبر 2016ء شمارہ 43

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر: ایوب بیگ مرزا

ادارتی معاون: فریداللہ مروت

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی

67-اے علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے، ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا-------------------(2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جنت نظیر دنیا

پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یہ ہوا ہے کہ کوئی تحریک حکومت کے خاتمہ کے لیے اٹھی ہو یا سربراہِ حکومت کے استعفا کا مطالبہ کر رہی ہو تو اس کا انجام پرامن ہو یا ہوتا ہوا نظر آئے اور معاملات کو فریقین آئین و قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے حل کرنے پر کسی ادارے کے فیصلے پر متفق ہو جائیں۔ ہم نے یہ عرض کر کے کہ پرامن ہو یا ہوتا ہوا نظر آئے جس شک و شبہ کا اظہار کیا ہے تو یہ بلاوجہ نہیں۔ اس لیے کہ اس سے پہلے بھی ایک تحریک، جسے تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا نام دیا گیا تھا، فریقین میدانوں اور سڑکوں پر مار کٹائی کا راستہ ترک کر کے باہم مذاکرات پر رضامند ہوئے تھے۔ مذاکرات کی کامیابی اور نئے انتخابات کا اعلان بھی ہو گیا تھا۔ لیکن پھر اچانک کیا ہوا اور 5 جولائی 1977ء کی شب جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء لگا دیا۔ کون بدنیت ہوا تھا، کس نے بدعہدی کی تھی؟ ہم نہیں کہہ سکتے بہرحال آئین اور قانون میں رہتے ہوئے راستہ نہ نکالا جا سکا۔

ملک میں حالیہ اٹھنے والے سیاسی طوفان کا پس منظر یہ ہے کہ وزیراعظم کے بچوں کے نام پانامہ لیکس میں آئے تھے۔ جس پر اگرچہ ساری اپوزیشن کی طرف سے ردعمل سامنے آیا لیکن حقیقت میں میاں نواز شریف کی کرسی کا اصل دشمن بن کر عمران خان سامنے آیا۔ باقی اپوزیشن کا رول فرینڈلی اپوزیشن کا رہا۔ البتہ پیپلز پارٹی، جس کے رہنما اگرچہ عوامی سطح پر تو تسلیم نہیں کرتے لیکن سیاست کی معمولی سی سوجھ بوجھ رکھنے والا پاکستانی بھی سمجھ رہا ہے کہ پیپلز پارٹی اس حوالہ سے پنجابی اور سندھی گروپ میں تقسیم ہو چکی ہے۔ سندھی گروپ فرینڈلی اپوزیشن کا رول ادا کرتے ہوئے عمران خان کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کر رہا ہے اور پنجابی گروپ میاں نواز شریف پر تابڑ توڑ حملے کر رہا ہے۔ ان کا بس نہیں چلا وگرنہ وہ دھرنے میں عمران خان کے ساتھ شامل ہو جاتے۔

پانامہ لیکس کا معاملہ اپریل میں یعنی سات ماہ پہلے سامنے آیا تھا۔ اس پر دنیا بھر میں ہلچل مچی تھی، کہیں کوئی حکومت استعفیٰ دینے پر مجبور ہوئی اور کہیں حکمرانوں نے اپنی صفائی پیش کر کے مخالفین کو مطمئن کر دیا اور دنیا کے اکثر ممالک میں پانامہ کی گرد بیٹھ چکی ہے، لیکن پاکستان میں یہ معاملہ سات ماہ سے لٹکا ہوا ہے۔ ایک طرف میاں نواز شریف اور ان کی حکومت تاخیری حربے اختیار کرتی رہی اور موجودہ سیاسی اصطلاح کے مطابق ساری قوم کو ٹرک کی بتی کے پیچھے لگائے رکھا اور دوسری طرف عمران خان جنہیں ان کے مخالف ضدی اور پاگل انسان کہتے ہیں اور ان کے حمایتی پرعزم اور کبھی مایوس نہ ہونے والی شخصیت سمجھتے ہیں، یہ اعلان کر چکے ہیں کہ جب تک زندہ ہوں نواز شریف کا اس حوالہ سے پیچھا کروں گا۔ عمران خان کا معاملہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ سیاسی لحاظ سے خاص طور پر عوامی تحریک چلانے کے حوالہ سے ناتجربہ کار ہی نہیں اناڑی بھی سمجھے جاتے ہیں لیکن وہ یقیناً پبلک کیچر ہیں۔ یعنی عوام کو اپنی طرف راغب اور متوجہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان ایک زبردست کرکٹر اور کپتان کی حیثیت سے ان کی صلاحیتوں کے قائل ہی نہیں ان کے دیوانے بھی ہیں۔ لہٰذا یہ بات بلاخوف و تردید کہی جا سکتی ہے کہ ملک کے اکثر علاقوں میں جتنے بڑے جلسے وہ کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں کوئی دوسرا سیاستدان نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اپنے جلسوں میں لوگوں کی بڑی تعداد کو دیکھ کر انہیں یہ خیال پیدا ہو گیا جو ہماری رائے میں ان کی غلط فہمی تھی کہ وہ ایسی عوامی تحریک چلا سکتے ہیں جس سے وقت کی حکومت گر سکتی ہے۔ ہماری رائے میں ایک بات تو یہ ہے کہ جلسے میں شرکت کرنا اور کسی جان جوکھوں والی تحریک کا حصہ بننے میں فرق ہوتا ہے۔ دوسری عرض یہ ہے کہ پاکستان کی تاریخ بتاتی ہے کہ جیسی زبردست

تحریک چاہے آپ چلالیں فیصلہ کن رول بالآخر فوج کا ہی ہوتا ہے۔ حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوج حکومت کو دباؤ میں تو لانا چاہتی تھی لیکن گرانا یا کوئی ماورائے آئین قدم اٹھانے کا فیصلہ نہیں کیے ہوئے تھی۔ اب عوامی سطح پر اور ٹاک شوز میں یہ بحث چل رہی ہے' جس کے مطابق ایک رائے یہ سامنے آئی ہے کہ عمران خان عوام کا جم غفیر اسلام آباد لانے اور اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے میں ناکام رہا ہے اور 2014ء کی طرح یہ دھرنا بھی ناکام رہا ہے اور اسلام آباد میں منائے جانے والا یومِ تشکر فیس سیونگ کے لیے تھا' یہ یومِ ندامت کے طور پر منانا چاہیے تھا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عمران خان نے کمال ذہانت اور ہوشیاری سے اپنے پتے کھیلے ہیں اور اسلام آباد کا وہ لاک ڈاؤن جو عمران خان کرنے کا اعلان کر رہا تھا' خوف سے کانپتی ہوئی حکومت نے وہ کام خود کر دیا ہے بلکہ سارا ملک ہی لاک ڈاؤن کر دیا۔ وہ سیاسی تشدد یعنی تحریک انصاف کے کارکنوں کی پکڑ دھکڑ' لاٹھی چارج اور آنسو گیس کے بے تحاشا استعمال سے بدنام بھی ہوئی۔ جبکہ عمران خان آرام سے بنی گالا میں بیٹھا رہا لیکن کاروبار حکومت اس بری طرح متاثر ہوا کہ انتظامیہ، عدلیہ اور فوج سب دباؤ میں آ گئے۔ وہ عدلیہ جس نے عمران خان کی درخواست کو مضحکہ خیز اور غیر سنجیدہ (یہ وہ دو الفاظ ہیں جو سپریم کورٹ کے رجسٹرار نے عمران خان کی درخواست پر لکھے تھے) قرار دیا تھا' اسے خود ہی اٹھا لیا اور وہ سپریم کورٹ جس میں 2013ء کے انتخابات کے حوالہ سے کیس ابھی تک سرد خانے میں پڑے ہیں' اُس نے پانامہ لیکس کے حوالہ سے بڑی عجلت سے کارروائی شروع کر دی ہے۔ پارلیمنٹ سے کوئی نیا قانون منظور کروائے بغیر اپنے طور پر ایک ایسا جوڈیشل کمیشن قائم کر دیا ہے اور اُس کو ایسی اتھارٹی دی جا رہی ہے جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ وہ نواز شریف فیملی کے وکیل کو کسی قسم کے تاخیری حربے استعمال کرنے سے سختی سے روک رہی ہے بلکہ برہمی کا اظہار کر رہی ہے۔ یہ سب کچھ عمران خان نے ایک اسٹریٹجی کے طور پر اپنایا۔ اپنی عوامی قوت کو اس طرح استعمال کیا کہ زیادہ لوگوں کے باہر نکلے بغیر (جن کے باہر نکلنے کا امکان بھی کم نظر آ رہا تھا) اپنا مقصد حاصل کر لیا تھا۔ نیب' ایف آئی اے اور دوسرے متعلقہ ادارے جو عمران خان کی بات سننے کو تیار نہ تھے، جو قومی اسمبلی کی قائمہ کمیٹی کا مذاق اڑا رہے تھے' اب سپریم کورٹ میں ہاتھ باندھے لائن میں کھڑے ہیں۔ سپریم کورٹ یہ اعلان بھی کر چکا ہے کہ وہ خود T.O.R,s بنائے گا اور جوڈیشل کمیشن روزانہ کی بنیاد پر سماعت کر کے جلد از جلد فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی قسم کی تاخیر اور معاملہ دبانے کی کوشش پر عمران خان آسمان سر پر اٹھا لے گا لہٰذا یہ جوڈیشل کمیشن سابقہ کمیشنز سے بہت مختلف ثابت ہوگا کیونکہ مدعی ضرورت سے زیادہ چست، بے باک اور بے لگام ہے۔ اس کیس کا فیصلہ کیا ہوتا ہے' یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا البتہ اکثر ماہرین آئین و قانون کی رائے ہے کہ پہلی بار پاکستان میں ایک طاقتور شخص گرفت میں آیا ہے۔ شریف فیملی کی تضاد بیانی نے معاملہ بہت بگاڑ دیا ہوا ہے۔ قانونی زبان میں یہ open and shut کیس ہے۔ نواز شریف کے بچ نکلنے کا کوئی راستہ سرے سے موجود ہی نہیں۔ دوسری طرف ڈان لیکس یعنی سرل المائڈ کے کالم کے حوالہ سے پرویز رشید کی برطرفی کے باوجود معاملہ حل نہیں ہو رہا اور فوج اسے قومی سلامتی کی breach قرار دینے پر مصر ہے۔ وہ حکومت سے مطالبہ کر رہی ہے کہ وہ ملزمان کے خلاف کارروائی کرے وگرنہ فوج خود آرمی ایکٹ کے تحت قدم اٹھا سکتی ہے۔ لہٰذا ان دو لیکس کے حوالہ سے یہ کہنا مشکل ہے کہ معاملات یقیناً پرامن اور خوشگوار انداز میں حل ہو جائیں گے۔ اسی لیے ہم نے اس تحریر کے آغاز میں ہی اپنے خدشات کا اظہار کر دیا تھا۔

پاکستان کچھ عرصہ گزرنے کے بعد سیاسی بحران اور انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ لوگ یا لوگوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اینٹ پتھر لے کر میدان میں آ جاتا ہے اور وقت کی حکومت کو تمام برائیوں کی جڑ قرار دیتا ہے اور تاثر یہ اُبھرتا ہے کہ بس یہ حکومت چلی جائے تو سب اچھا ہو جائے گا، دودھ کی نہریں بہنے لگیں گی، ہر شہری کے منہ میں سونے کا چمچہ ہوگا اور دنیا جنت نظیر بن جائے گی۔ لیکن ہر مرتبہ قوم مایوس ہوتی ہے اور آنے والی حکومت جانے والی حکومت سے بدتر ثابت ہوتی ہے۔

ہم ایک عرصہ سے چیخ و پکار کر رہے ہیں کہ اصل قصور اور خرابی کی جڑ یہ نظام ہے جو ہم نے غیروں کی تقلید کرتے ہوئے اپنایا ہوا ہے۔ اگرچہ ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم نقل بھی اسی بھونڈے اور بدنما انداز میں کر رہے ہیں کہ امریکہ و یورپ میں اس نظام نے وہاں کے شہریوں کو جو آزادیاں اور سہولتیں دی ہیں ان آزادیوں کو بھی ہم نے اپنے لیے عذاب بنا لیا ہے۔ ہمارا یہ موجودہ نظام دھونس دھاندلی، دھکے بازی اور لاٹھی گولی کا نظام بن چکا ہے۔ پہلے اختیار اور وسائل والے دھونس اور دھاندلی میں تمام حدود کراس کرتے ہیں۔ پھر دوسری طرف سے دھکے بازی ہوتی ہے، قوت والے لاٹھی گولی استعمال کرتے ہیں۔ جسے برتری حاصل ہو جائے وہ مقصد پا لیتا ہے۔ پانامہ لیکس کے حوالہ سے جائزہ لیں' عدالت عظمیٰ سمیت تمام پاکستانی ادارے اس وقت حرکت میں آئے جب دھکا لگانے والے نے ایسا زوردار دھکا لگایا کہ نظام کے رکھوالوں کو خطرہ پیدا ہو گیا کہ کہیں نظام ہی منہدم نہ ہو جائے، کہیں سٹیٹس کو سڑکوں پر ہی ڈھیر نہ ہو جائے، کہیں ایسا انقلاب نہ آ جائے جس سے تمام بڑوں کے مفادات بھی زیر زد آ جائیں۔ ایسے واقعات ایک بگڑے ہوئے استحصالی نظام میں رونما ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کے لیے مثالی نظام جو اللہ کا پسندیدہ دین اسلام فراہم کرتا ہے اس نظام کی عملی شکل یوں سامنے آتی ہے کہ قاضی خلیفۂ وقت کے خلاف شہادت کی عدم موجودگی کی بنا پر فیصلہ دیتا ہے اور حاکم وقت قاضی کے فیصلے کو بلا چوں و چرا تسلیم کر لیتا ہے۔ اسی نظام کی عملی شکل یہ بھی ہے کہ حاکم وقت راتوں کو بھیس بدل کر اپنی رعایا کی دیکھ بھال خود کرتا ہے۔ پھر یہ کہ خلیفۂ وقت کا اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' رہنا سہنا گویا سب کچھ عام آدمی سے مختلف اور برتر نہیں ہو سکتا اور تو اور خلیفۂ وقت کے احتساب کا یہ انداز بھی ہوتا ہے کہ اسے خطبۂ جمعہ کے دوران ٹوک دیا جاتا ہے۔ ایک ایسا نظام جس میں ایک بڑھیا حاکم وقت سے پوچھے کہ تم نے عورت کا فلاں حق کس قانون کے تحت سلب کیا جبکہ یہ حق اللہ نے اسے دیا تھا؟ خدارا! اس نظام کو اپنا کر دیکھو جنت زمین پر اتر آئے گی یا یوں کہہ لیجئے کہ دنیا جنت نظیر بن جائے گی۔

بہرحال یہ سمجھنا چاہیے کہ ہم آسمانی اور روحانی نظام کا نعرہ ماریں اور حقیقت یہ ہو کہ زمینی و انسانی نظام کی بھی شکل بگاڑ کر خود پر مسلط کر لیں تو نتائج ایسے ہی نکلیں گے کہ ہر چند سال بعد ہم وقت کی حکومت کے خلاف پتھر لے کر نکلیں اور حکومت لاٹھیاں مارے۔ خطرہ یہ ہے کہ اس باہم سر پھٹول کا ایک دن یہ نتیجہ نہ نکلے کہ ہم قومی سطح پر خودکشی کا ارتکاب کر لیں' انا للہ وانا الیہ راجعون! ☆☆☆☆

انسان گرفت میں ہے

سورۃ البلد کی روشنی میں

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾ کے 28 اکتوبر 2016ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

محترم قارئین ! سورۃ الفجر کے بعد سورۃ البلد ہمارے زیر مطالعہ ہے۔ قرآن مجید کے آخری پارے کی بیشتر سورتوں کی طرح یہ سورت بھی مکی ہے۔ یہ وہ دور تھا جب مکہ میں آپ ﷺ اور مسلمانوں پر حالات بہت سخت کر دیئے گئے تھے۔ جو لوگ ایمان لا چکے تھے ان کی زندگی انتہائی سخت آزمائشوں میں گھری ہوئی تھی۔ چنانچہ سورۃ البلد کے نزول کا پس منظر بھی مکہ کے مسلمانوں کی یہی پُر مشقت زندگی ہے اور اس سورت میں مومن کی دنیا کی زندگی کو ایک نئے زاویے سے دکھایا گیا ہے کہ دنیا کی یہ مشقتیں اس کے بلند مقام و مرتبہ کا باعث کیسے بنتی ہیں۔

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۱﴾﴾ ''نہیں! میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی۔''

اس آیت میں لَا نافیہ نہیں ہے بلکہ مخاطبین کے خیالات باطلہ کے ابطال کے لیے ہے اور بَلَد سے مُراد شہر مکہ ہے جس کی یہاں اللہ تعالیٰ قسم کھا رہے ہیں۔ جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے اس کے پیچھے ایک ایسی واضح حقیقت اور سچائی چھپی ہوتی ہے جس کا انسان انکار نہیں کر سکتا۔ وہ حقیقت اور سچائی کیا ہے؟ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ یہاں اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو گواہ بنا کر مشرکین مکہ کو باور کرا رہے ہیں کہ جو کچھ تم سوچتے اور کہتے ہو وہ بالکل غلط ہے۔

﴿وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ﴿۲﴾﴾ ''اور (اے نبی ﷺ!) اس شہر میں آپ بھی مقیم ہیں۔''

حِل مقیم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی آپؐ بھی اسی شہر میں مقیم ہیں جس کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ کچھ مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ یوں بھی کیا ہے کہ ''آپ کے لیے یہ شہر حلال ہو جائے گا''۔ یعنی اگرچہ یہ بلد الحرام ہے، یہاں خونریزی وغیرہ کی اجازت نہیں، لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہ شہر آپ کے لیے حلال کر دیا جائے گا۔ پھر چند سال بعد ہی دنیا نے دیکھا کہ فتح مکہ کے دن اللہ کے باغیوں میں سے چند ایک کو اللہ کے حکم سے قتل بھی کیا گیا۔

﴿وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۙ﴿۳﴾﴾ ''اور قسم ہے والد کی اور اولاد کی۔''

اس قسم میں اس مشقت اور ذمہ داری کی طرف اشارہ ہے جو ایک والد کو اپنی اولاد کی پرورش اور تربیت وغیرہ کے حوالے سے برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اب اگلی آیت میں اس حقیقت اور اس سچائی کو نمایاں کیا جا رہا ہے

مرتب: ابو ابراھیم

جس پر یہ قسمیں کھائی گئیں۔

﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۭ﴿۴﴾﴾ ''بے شک ہم نے انسان کو پیدا ہی محنت اور مشقت میں کیا ہے۔''

یہ ہے وہ اصل سچائی جس پر شہر مکہ اور والد اور اولاد کو گواہ بنایا گیا۔ مکہ میں زندگی گزارنا آسان نہیں تھا۔ ہر طرف پتھر ہی پتھر اور شدید گرمی۔ کوئی ہریالی، کوئی سبزی، کوئی پھل، کوئی باغات کچھ نہیں تھا۔ وہاں پر رہنا یقیناً ایک صعوبت کا کام تھا اور مشکلات کو دعوت دینے والی بات تھی۔ جو لوگ وہاں رہتے تھے ان کی زندگی بڑی سختی اور جفاکشی میں گزرتی تھی۔ وہ جو اقبال نے کہا

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مرد کہستانی!

شہروں میں رہنے والے سہل پسند ہو جاتے ہیں لیکن جو کوہستانی اور صحرائی علاقوں میں رہنے والے ہیں وہ جفاکش ہوتے ہیں۔ لہٰذا مکہ میں رہنا اس وقت خود اس بات کی دلیل تھی کہ انسان شدید مشقت میں ہے۔

اسی طرح والد اور اولاد کا رشتہ بھی بتا رہا ہے کہ انسان سختی میں ہے۔ اولاد کی پرورش کے لیے والدین کو کیا کیا پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں؟ کتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے؟ اس زمانے میں تو شاید اتنے مسائل نہیں تھے۔ لیکن آج تو بہت بڑا مسئلہ اعلیٰ تعلیم کا بھی ہے۔ اچھے سے اچھے سکولوں میں داخل کرانا اور خصوصاً او لیول کے بغیر تو کوئی تصور بھی نہیں رہا۔ اگر آمدنی کم ہو تو اولاد کے لیے ہی اور ٹائم لگ رہا ہے۔ تو انسان کو پیدا ہی مشقت میں کیا گیا ہے۔ بقول غالب

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں!

دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جس کو کسی تکلیف، پریشانی یا غم کا سامنا نہ ہوا ہو۔ گویا بین السطور یہ سمجھانا مقصود ہے کہ بظاہر تو انسان دنیا میں آزاد ہے جو چاہے کرے لیکن کچھ حدود و قیود ہر انسان کے لیے ایسی رکھ دی گئیں ہیں جن سے بہرحال انسان باہر نہیں نکل سکتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ ہر کسی کے لیے کوئی نہ کوئی مشکل، کوئی نہ کوئی مصیبت، کوئی نہ کوئی پریشانی اور کوئی نہ کوئی کمی اور رکاوٹ ضرور ہے۔ مطلب یہ کہ اصل کنٹرول کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور وہ کون ہے؟ جس کو لوگ بھلائے بیٹھے ہیں۔

﴿اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۘ﴿۵﴾﴾ ''کیا یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اوپر کوئی قابو نہیں پا سکے گا؟''

چنانچہ سارے مضمون کا نچوڑ اس آیت میں بیان کر دیا گیا کہ اگر یہ لوگ اللہ کو اور اس کی طرف سے بھیجی

ہوئی ہدایت کو نہیں مان رہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ یہ مکمل آزاد ہیں۔ قریش میں یہ تصور موجود تھا کہ ہم آزاد ہیں، جو دل چاہے کریں، اس شہر میں تو ہمیشہ ہماری بات چلے گی۔ خاص طور پر سرداران قریش کہتے تھے کہ اگر آخرت ہوئی بھی تو ہمیں دنیا میں اللہ نے اتنا کچھ دیا ہے تو وہاں اور زیادہ دے دے گا۔ جبکہ قرآن کہہ رہا ہے کہ انسان جتنی بھی طاقت آزمالے اللہ کے اختیار سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یہ دنیا کی تکالیف اور مصائب بتا رہے ہیں کہ اختیار کسی اور کا چل رہا ہے۔ تمہیں ایک محدود اختیار دیا گیا ہے جس سے تمہاری آزمائش ہو رہی ہے۔ اللہ جب چاہے یہ اختیار بھی چھین لے اور پھر موت کے بعد تو اختیار صرف اللہ کا ہی ہوگا۔

﴿ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝٦ ﴾ ''کہتا ہے میں نے تو ڈھیروں مال خرچ کر ڈالا۔''

قریش میں کچھ ایسے بھی تھے جو مسافروں کو کھانا کھلاتے تھے اور خدمت خلق کے کام بھی کرتے تھے اور اس پر وہ مطمئن تھے کہ اگر ہم نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہ بھی کیا تو کوئی حرج نہیں، ہم نے بھی اللہ کی راہ میں بہت کچھ خرچ کر رکھا ہے۔ خاص طور پر ابوجہل تو ایمان ہی اسی وجہ سے نہیں لایا تھا کہ خدمت خلق اور مسافروں کو کھانا کھلانے میں ہم بنی ہاشم سے کبھی پیچھے نہیں رہے اگر آج ہم ان کی نبوت قبول کر لیں تو ہم ان کے غلام بن جائیں گے۔

پھر قریش میں کئی لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسلام کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے اور اسے مٹانے کے لیے بہت مال خرچ کیا تھا اور ان کا یہی مال ان کے قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن گیا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کو دنیا سے مٹانے کے لیے اتنا مال خرچ کیا ہے۔ جیسے آج کے دور میں بھی اسلام کا راستہ روکنے کے لیے پیسے خرچ کیے جا رہے ہیں۔ یورپ میں اسلام کا راستہ روکنے کے لیے یہودی ایجنسیاں اربوں ڈالر دہشت گردی پر خرچ کر رہی ہیں۔ اسی طرح 9/11 کے واقعہ کو 15 سال پورے ہونے پر جو رپورٹ سامنے آئی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ افغانستان میں امریکہ 100 ارب ڈالر خرچ کرنے کے باوجود بھی اب تک ناکام ہے۔

چنانچہ قدرت یہاں بھی ثابت کر رہی ہے کہ انسان چاہے جتنا بھی مال خرچ کر لے، جتنی بڑی سے بڑی جدید ترین ٹیکنالوجی کا استعمال بھی کر لے لیکن اللہ کی گرفت اور اس کی قائم کی ہوئی قیود سے نکل نہیں سکتا۔

﴿ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ۝٧ ﴾ ''کیا اس کا گمان ہے کہ اُسے کسی نے دیکھا نہیں؟''

اگر اس نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہے تو پھر ڈھنڈورا کیوں پیٹ رہا ہے یا اگر اسلام کا راستہ روکنے کے لیے خرچ کیا ہے تو دونوں صورتوں میں کیا اس کا خیال ہے کہ اسے کوئی دیکھنے والا نہیں ہے؟

﴿ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۝٨ ﴾ ''کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟''

آنکھیں دیکھنے کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ تو ذرا انسان غور کرے کہ یہ نعمت کس نے دی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جو آنکھوں والے ہیں انہیں اپنی آنکھوں کی قدر ہی نہیں۔ آنکھوں کی قدر تو ان سے پوچھی جائے جو اس نعمت سے محروم ہیں۔

﴿ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝٩ ﴾ ''اور ایک زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیے)؟''

قوت گویائی کے لیے زبان اور دو ہونٹوں کی بنیادی اہمیت ہے۔ اسی طرح کھانا کھانے کے لیے بھی زبان اور ہونٹ استعمال ہوتے ہیں۔ تو انسان ذرا سوچے کہ اللہ نے اسے کیا کیا نعمتیں دیں ہیں۔

﴿ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝١٠ ﴾ ''اور ہم نے اس کو راہ دکھلا دی دو گھاٹیوں کی۔''

نجد کہتے ہیں اونچی جگہ یا گھاٹی کو۔ چنانچہ عام ترجمہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خیر اور شر کے راستے الگ الگ کر کے دکھا دیئے ہیں۔ ایک اللہ کا دیا ہوا راستہ ہے اور دوسرا انسان کے نفس اور شیطان کا دیا ہوا۔

پریس ریلیز 4 نومبر 2016ء

بلاول بھٹو کا مندر میں پوجا پاٹ میں حصہ لینا اسلام سے غداری کے مترادف ہے

یہ بات خوش آئند ہے کہ فریقین اپنا مقدمہ سپریم کورٹ میں لے گئے ہیں تاہم ہمیں تمام باطل نظاموں کو رد کر کے اسلامی نظام کو اپنانا ہوگا۔ ہماری سلامتی کا راز اسی میں مضمر ہے

حافظ عاکف سعید

بلاول بھٹو کا مندر میں پوجا پاٹ میں حصہ لینا اسلام سے غداری کے مترادف ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ جس روشن خیالی کا آغاز پرویز مشرف نے کیا تھا آج نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ ہمارے نام نہاد سیاسی لیڈران مذہبی رواداری کو غلط معنی پہناتے ہوئے مندروں میں ہندوؤں کے ساتھ مل کر عبادت کرنے لگے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام غیر مسلموں کو ان کے شہری حقوق دیتا ہے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کا اسلامی ریاست کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے لیکن انہیں اسلامی ریاست میں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ ہمارے حکمران خود ان کی عبادت گاہوں میں جا کر ان کے ساتھ عبادت میں شریک ہوں۔

اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ یہ بات خوش آئند ہے کہ فریقین اپنا مقدمہ سپریم کورٹ میں لے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم مغربی نظام کی تقلید کرتے ہیں لیکن نقالی میں بری طرح ناکام ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام ایک ایسا نظام عدل اجتماعی فراہم کرتا ہے جس سے ہر شہری کو اپنے حقوق بلا امتیاز ملتے ہیں۔ امیر و غریب اور حاکم و محکوم میں انصاف کی فراہمی کے حوالے سے کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ ہمیں تمام باطل نظاموں کو رد کر کے اسلامی نظام کو اپنانا ہوگا۔ ہماری سلامتی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ (جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر و اشاعت، تنظیم اسلامی)

﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪﴾ ''لیکن وہ گھاٹی کو عبور نہ کر سکا۔''

یہ شکوے کے انداز میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو اتنا کچھ دیا۔ لیکن اُسے جس امتحان میں ڈالا تھا اُس میں وہ پورا نہ اُتر سکا۔

﴿وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ⑫﴾ ''اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ گھاٹی کون سی ہے؟''

﴿فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬﴾ ''کسی گردن کا چھڑا دینا۔''

اس زمانے میں غلاموں کی خرید و فروخت باقاعدہ ایک پیشہ بن گیا تھا۔ کسی کو پکڑ کر زبردستی غلام بنا لیا اور کسی اور علاقے میں لے جا کر بیچ دیا۔ خریدنے والے اس انسان سے جانوروں جیسا برتاؤ کرتے لیکن کبھی آزاد کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اسلام نے آ کر غلاموں کو آزاد کرنے کا رواج ڈالا۔ چنانچہ اس آیت میں مشرکین مکہ کو باور کرایا جا رہا ہے کہ یوں تو تم خرچ کرنے کے بڑے دعوے کرتے ہو لیکن اپنا مال خرچ کر کے کسی غلام کو آزاد کرا دینے یا کسی مقروض کا قرض ادا کر دینے کی تمہیں توفیق نہیں ہوتی۔

﴿اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ⑭﴾ ''یا کھانا کھلا دینا بھوک کے دن میں۔''

خاص طور پر قحط سالی کے دنوں میں جبکہ تنگی اور اجناس کی قلت کا سامنا ہو اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کا خیال بھی پریشان کیے دے رہا ہو ایسے وقت میں کسی کو کھانا کھلانا بھی ایک آزمائش ہے۔

﴿يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮﴾ ''اُس یتیم کو جو قرابت دار بھی ہے۔''

بالعموم لوگ رشتہ داروں کے اندر ان چیزوں کا خیال کم رکھتے ہیں۔ صدقہ و خیرات کرنا ہو تو غیروں کو ترجیح دی جاتی ہے جبکہ قریبی رشتہ داروں کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ شکوہ شکایت تو ہر جگہ ہوتی ہے لیکن انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مدد کرنے کی بجائے دوسری چیزوں کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی آزمائش ہے جس میں اللہ نے انسان کو ڈالا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ اس امتحان میں تم ناکام ہو۔

﴿اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯﴾ ''یا اُس محتاج کو جو مٹی میں رُل رہا ہے۔''

ٹھاٹھ باٹھ والے مسافروں کو تو تم کھانا کھلانے میں مسابقت کرتے ہو ذرا اس محتاج کی بھی اسی طرح عزت اور اُس کا اکرام کر کے دکھاؤ جو مٹی میں رُل رہا ہے یا مشقت میں ڈوبا ہوا مزدور ہے۔ اگر کوئی ایسا کرے تو پھر پتہ چلے گا کہ وہ واقعی اللہ کی رضا کے لیے کر رہا ہے۔

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''پھر وہ شامل ہو ان لوگوں میں جو ایمان لائے''

یعنی انسانوں سے عام شکایت تو یہ ہے کہ گھاٹی عبور نہیں کر سکے۔ لیکن جو کوئی اس گھاٹی کو عبور کرنے کے بعد اسلام کی طرف آتا ہے، اللہ کے دین کو قبول کرتا ہے تو اس کے ایمان کی بہار اور اس کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس گھاٹی کو عبور کرنے میں سب سے نمایاں مثال خود محمد رسول ﷺ کی ہے لیکن اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی یہی مزاج تھا۔ وہ خدمت خلق کے معاملے میں معروف تھے۔ اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ تھے۔ حق کے راستے پر چلنے اور صراط المستقیم پر آگے بڑھنے میں ایک سب سے بڑی رکاوٹ مال کی محبت بھی ہوتی ہے۔ انہوں نے اس مشکل گھاٹی کو عبور کر لیا تھا۔ اس وجہ سے جب ایمان کی توفیق ملی تو مقام صدیقیت تک پہنچ گئے۔ یہ مقام و مرتبہ بہت اونچا ہے۔ خدمت خلق اور سچے ایمان کے ساتھ ہر کوئی انسان اس مقام تک پہنچ سکتا ہے۔ کوئی شخص ختم نبوت کے بعد نبی اور رسول تو نہیں ہو سکتا لیکن مقام صدیقیت ابھی موجود ہے اور جو مقام صدیقیت کے اجزاء ہیں ان میں سے پہلا وصف یہ ہے جو سورۃ اللیل میں بیان ہوا: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤﴾ ''تو جس نے عطا کیا اور تقویٰ اختیار کیا۔'' ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥﴾ ''اور اس نے تصدیق کی اچھی بات کی۔''

یعنی مال کی محبت گرہ بن کر نہیں رہ گئی کہ ایک دھیلہ بھی خرچ کرنے کے لیے اپنے آپ کو مجبور کرے بلکہ وہ دوسروں کی ہمدردی میں، دوسروں کے کام نبٹانے میں، دوسروں کی مدد میں اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر ایمان بھی لے آئے گا تو اس کے ایمان کی بہار کی کیفیت ہی کچھ اور ہوگی اور وہ مقام صدیقیت تک جا پہنچے گا۔

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ⑱﴾ ''یہ ہوں گے داہنے والے۔''

یعنی وہ لوگ جن کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ یہ خوش نصیب لوگ ہوں گے۔ آج بھی جو لوگ اس گھاٹی کو عبور کر کے اسلام پر عمل پیرا ہو جائیں قرآن انہیں خوش نصیب قرار دے رہا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ ''اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیات کا''

﴿هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ⑲﴾ ''وہ ہوں گے بائیں والے۔''

یعنی ان کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اسلامی تعلیمات کا انکار کیا ہوگا۔ اس دور میں تو کافر اور مسلمان جدا جدا تھے۔ ایک توحید، قرآن اور رسول ﷺ کو ماننے والے تھے اور دوسرے مشرک تھے جو قرآن کا انکار کرتے تھے۔ لیکن آج کہنے کو تو ہم مسلمان ہیں لیکن عملاً قرآن کا، اسلامی تعلیمات کا انکار کر رہے ہیں۔ کھلم کھلا اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور جو چیزیں ہمارے دین میں حرام ہیں، ممنوع ہیں ان کو فروغ دیا جا رہا ہے۔

سورۃ الفرقان میں ارشاد ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ⑳﴾ ''اور رسولؐ نے کہا (یا رسول کہے گا): اے میرے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑی ہوئی چیز بنا دیا۔''

اس آیت کی تشریح میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے لکھا ہے کہ اگرچہ اس آیت میں ذکر تو ان کفار کا ہو رہا ہے جو کھلم کھلا قرآن کو نہیں مانتے تھے اور سننے کو تیار نہیں تھے لیکن درجہ بدرجہ اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے لیکن نہ اس کو پڑھنے کے لیے تیار ہیں، نہ اس پر عمل کے لیے تیار ہیں، نہ اس کو سمجھنے کے لیے تیار ہیں تو یہ بھی مہجوریٔ قرآن ہے۔ کفار اگر قرآن کو چھوڑے ہوئے تھے تو ہم مسلمانوں نے بھی چھوڑا ہوا ہے۔ جو راستہ اللہ اور رسول ﷺ نے بتایا ہے اس پر چلنے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے برعکس وہ راستہ جو شیطان کا ہے اس کو سوچ سمجھ کر اختیار کر رہے ہیں تو اس کا واضح مطلب یہی ہوا کہ ہم نے قرآن کو مانا ہی نہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے ہم بھی انہی لوگوں کی صف میں کھڑے ہیں جو بائیں والے ہیں یعنی بدبخت لوگ ہیں اور یہ بدبختی کی انتہا ہے۔

﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ⑳﴾ ''ان پر آگ بند کر دی جائے گی۔''

جس طرح پریشر ککر میں ساری کی ساری حرارت اندر ہی جمع ہوتی رہتی ہے اسی طرح ان لوگوں پر جہنم کی آگ بند کر دی جائے گی جو اسلامی تعلیمات کا انکار کرنے والے ہیں۔ چاہے یہ انکار زبانی ہو یا عملی اس کا نتیجہ ایک ہی ہوگا اور وہ اس سخت ترین عذاب کی صورت میں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم اس کتاب ہدایت کو واقعی کتاب ہدایت سمجھیں اور پھر اس کے مطابق زندگی گزارنے کا عزم کریں۔ آمین!

❁❁❁

آج کی دنیا میں مسلمان اپنی حقیقت بھلائے، منہ اوندھائے بھیڑ چالیا بنا آنکھیں موندے، کان بند کیے مراکزِ حواس دل و دماغ مغربی گڈریے کے حوالے کئے چلا جارہا ہے۔ (جو بالآخر اسے مذبح خانوں تک پہنچاتا ہے) سیدھی راہ کیونکر پائے گا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ سورۃ الملک میں فرماتے ہیں:

''بھلا وہ شخص جو منہ اوندھائے چل رہا ہو وہ زیادہ صحیح راہ پانے والا ہے یا وہ جو سر اُٹھائے سیدھا ایک ہموار، سیدھے راستے پر چل رہا ہو۔ ان سے کہو وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، تمہیں کان، آنکھوں اور مراکزِ حواس (دل، دماغ) والا بنایا''۔(23-22)

پوری دنیا کے مسلمانوں کا یہی حال ہے جو ہمارا پاکستان میں ہے۔ گلوبل ولیج کے جاہل چوہدری کے کمی کمین بنے ہم اسی کے مقاصد پورے کرنے، اسی کی حکمرانی قائم کرنے، اسی کے کھیتوں کی آبیاری (خواہ مسلمانوں کے خون ہی سے کرنی پڑے) میں نسل در نسل جتے ہوئے ہیں۔ جس راہ مالک (گورے) نے چلادیا سر اوندھائے (گدھے کی مانند) دن رات ایک کیے (اسی پر بوجھ) ڈھوتے رہے۔ سر اُٹھا کر سیدھے چلنے، آنکھ، کان، دل و دماغ کے آزادانہ استعمال کا یارا ہی نہیں۔ ہم جس راہ چلادیے جاتے ہیں۔ اس پر سوال نہیں کرتے۔ ہر نظام کی بھیڑ بکریاں بنے اسے جوں کا توں قائم (Status Quo) رکھنے کے عادی ہیں۔ جبکہ ہماری پٹاری کا ہر سوال اسلام پر داغنے کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہمہ نوع گولے گولیاں میزائل داغنے کو کمربستہ ہیں۔ لیکن شیطانی نظام ہائے زندگی، ابلیسی تصورات اپنی تمام تر کجی سمیت یوں قبول ہیں کہ ان کے حسن و قبح کے بارے میں کچھ سوچنا تک گوارا نہیں۔ مثلاً نظام تعلیم کو لیجئے۔ آخر کیا بھیڑ چال ہے کہ ڈھائی تین سال کی عمر سے روتا دھوتا، ماں کے دامن سے لپٹا اس کی شفقت کا متلاشی بچہ نوچ کر مونٹیسوری میں ڈال دیا جائے؟ بھر بھر کر فیسیں بھریں! جیب خالی کردی، لٹادی۔ مونٹیسوری کے پیچھے بڑے بڑے فلسفے، میڈم مونٹیسوری کے حوالوں کے ساتھ متاثر کن تصاویر کے ہمراہ گھیرا گھاری کو ناتجربہ کار والدین کی عقلوں پر پردے ڈالنے کو موجود ہیں۔

مزید آگے تعلیم کے جو ہوشربا ڈرامے اور فریب ہیں وہ اپنی جگہ۔ اب تو ٹیچر بھی تعلیم، تجربے سے بڑھ کر میک اپ دار، فیشن ایبل، موبائل بردار، انگریزی شعار ہونی لازم ہے، تعلیم ایک ثانوی چیز ہے۔ ہم نصابی سرگرمیوں میں رقص و موسیقی، کارٹون، فلمیں، ٹیبلو ڈرامے اور بڑے ہونے پر برائیڈل شوز اصل ہیں۔ صبح دل و دماغ اسکولوں میں کھپا کر شام ٹیوشن اور اکیڈمیوں کی نذر اور (نتیجے میں) کیا افلاطون پیدا ہورہے ہیں؟ نہ اُردو آتی ہے نہ انگریزی۔ حساب کتاب کیلکولیٹر کے ذمے۔ مضامین کے لئے کمپیوٹر، نیٹ پر سے جوڑا جاڑی (Cut, Copy, Paste) کر کے۔ دل، دماغ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ دل کے تو اب بکھیڑے دوسرے بہت مخلوط تعلیم نے اُٹھا کھڑے کیے ہیں۔ سات آٹھ گھنٹے (بلکہ دور دراز کے سفر طے کرنے کے بعد مزید دو گھنٹے خواری میں اضافہ کرلیجئے) کھپا لینے کے بعد دماغ میں کیا جگہ بچی ہوگی جس کے لیے ٹیوشن، اکیڈمی کی گنجائش باقی ہو۔ تازہ دم دماغ اگر صبح کے اوقات میں بھلے طریقے سے مضامین اخذ کرلے تو تعلیم کے لیے یہی اوقات کافی ہیں۔ موجودہ صورتحال تو دماغوں کو ماؤف کرنے، انتشار پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ والدین دونوں نوکریاں کر کر کے ہلکان، زمینیں زیور بیچ کر گنتی کے 2، ڈھائی بچے پڑھا کر بڑا تیر مار لیتے ہیں۔ تعلیم بھی نری نظری۔ 16 سالہ تعلیم پا کر بھی ہاتھ، پلے کچھ بھی نہیں۔

پورا نظام فاسد ہے۔ ہر سطح پر کھوکھلا ہے۔ بچے پاگل پن کے ساتھ دن رات کتابوں، رجسٹروں، فائلوں کے جمگھٹوں اور کمپیوٹروں میں سر دیئے نہ والدین کے کسی کام آنے والے، نانی، دادی، خالہ، ماموں، چچا تو دُور رہے، نہ معاشرتی ذمہ داریوں کی کوئی تربیت، نہ انسان دوستی نہ ہاتھ میں کوئی ہنر۔ لڑکی ہے تو زنانہ کاموں سے نابلد۔ حتیٰ کہ مرد ہے تو مردانہ کاموں کے لائق نہیں۔ ابھی تعلیم کا وہ المیہ تو ہم بیان ہی نہیں کررہے جو مخلوط تعلیم یا نصابوں کے زہریلے اثرات کی بناء پر ہے۔ یہ تو صرف کلیتاً ناقص تعلیم پر عمر، وقت، صلاحیت، صحت، والدین خاندان کا پیسہ برباد کرنے کا رونا ہے۔

یادش بخیر ہمارے وقتوں میں صبح کے اوقات میں سکول، کالج کی تعلیم۔ شام کے اوقات میں گھر، خاندانی ہم نصابی سرگرمیاں۔ فراغت کے اوقات میں پھلتی پھولتی دیگر صلاحیتیں۔ کھانے پکانے، سلائی، بنائی، مؤاٹیلی وژن بھی آنکھ، کان، دل، دماغ پر حملہ آور ہوکر پھپھوندی زدہ کرنے کو تادیر موجود نہ تھا۔ مرد، مردانہ ہوا کرتے تھے۔ ہر بھاری، باہر کے کام کے لائق، عورتیں زنانہ ہوا کرتی تھیں۔ گھر گھر شعر و ادب کا ذوق پایا جاتا۔ تعلیم یافتہ گھروں میں اقبال، سعدی، رومی کی باتیں ہوتیں۔ خوش نصیب گھروں میں قرآن کی تعلیم ہوتی۔ والدہ کل دس جماعتیں پڑھ کر شعر و شاعری افسانہ نگاری پر قادر تھیں۔ بچوں کو انگریزی، حساب، ساتویں آٹھویں تک آرام سے خود پڑھا لیتیں۔ بلکہ آگے جو لسی تعلیم ہوگئی ملاوٹ زدہ۔ پتلی بے روح تو اپنی بی اے میں پڑھتی بہن کو اُردو اور تاریخ جغرافیہ پڑھانے کا کمال بھی موجود تھا۔ فارسی کی سمجھ بھی تھی۔ یہی حال اکثر گھرانوں کا تھا۔ اب محاورے، اشعار بول کر دیکھئے تو 18 گھنٹے پڑھائی میں سر دینے والی نسل ہونقوں کی طرح منہ تکا کرتی ہے۔ آپ سمجھے انگریزی خوب ہوگی۔ ہرگز نہیں۔ گرائمر، Tenses اتنے غلط کہ آپ Tense ہوجائیں! تاریخ جغرافیے سے نابلد۔ جس ایک مضمون میں ایم اے کریں گے اس کے باہر ہر طرف لق و دق لاعلمی کا صحرا ہوگا۔ اس پورے نظام پر کوئی سوال نہیں اُٹھاتا۔ بڑے بڑے پڑھے لکھے والدین دن رات پیسہ کمانے کی مشین بنے انہیں تعلیمی چکیوں، تنوروں میں دھکیلے ایک کاغذ جسے ڈگری کہتے ہیں کے حصول کے لیے دیوانے۔ نظام وہ لاگو کردیا کہ اس کاغذ کے بغیر رزق، روٹی، ملازمت میسر نہیں۔ سو کاغذ کی غلامی میں سب راضی ہیں۔ خدائی کاغذ کی ہے تو اسی کی خاطر اس کے غم میں خودکشیاں ہورہی ہیں۔ میرٹ نہیں بنا، 2 نمبر سے رہ گیا۔ دماغ اُلٹ گیا، ڈپریشن میں چلے گئے، خودکشی کرگزرے۔ جس کے ذمہ دار نہ صرف ادارے بلکہ خاندان بھی ہے جو آنکھ کھولتے ہی بچے کو نمبر گیم میں لگادیتا ہے۔ کتنے نمبر آئے؟ رزلٹ کیسا رہا؟ ناکام و نامراد، خائب و خاسر ہوگیا جسے پروفیشنل کالج میں داخلہ نہ ملا۔ اس کے لیے آگے دنیا اندھیر ہے۔ سولعنت طعن تشنیع سے بچنے کو موت گلے لگالی۔ پناہ بخدا۔ خودکشی یا تعلیم کی بناء پر ہے یا تعلیمی ادارے میں کسی پر مرمٹنے کے نتیجے میں۔ یا نمبر نہ ملے۔ یا ہدف عشق ہاتھ نہ آیا۔ اب کیا جینا! یہ ہے منہ اوندھائے بھیڑ چال کی کم نصیب دنیا کی کہانی!

کہاں وہ بندۂ مومن جو مسجود ملائک تھا۔ جسے زمین پر

پورے اختیارات کے وسائل وامکانات کے ساتھ خلافتِ ارضی کے لیے پیدا کیا تھا۔ اقبال نے یہ مضمون دو طرح سے نظم کیا ہے۔ بال جبرائیل میں، فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں اور روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے! کہاں یہ غیرت وحمیت کہ بخشی ہوئی جنتیں ناقابلِ قبول ہوں۔ (اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے!) اپنی محنت ومشقت سے اپنے خونِ جگر سے اپنی جنت خود بنانی! مگر کہاں جناب! یہاں تو پرائی جنتوں کی چاکری۔ معراج مومن کی آج ملٹی نیشنل کی نوکری اور ڈالروں بھری نوکری! کوششِ پیہم تو ہے۔ مگر یہ خون پسینہ انہی کی صنعتوں، حکمرانیوں کو قوی کرنے کے لیے ہے۔ اب نگاہ میں انہی کے بخشے فردوس جچتے ہیں جس کی شہریت کی ہر قیمت ادا کرنے کو یہ پیکرِ گل، گل جاتا ہے! ایسے ایسے گل کھلاتے ہیں کہ شکیل آفریدی بن کر غداریاں کریں گے۔ قادیانی بن کر شہریت حاصل کریں گے۔ علیٰ ھذا القیاس!

سو بات ہو رہی تھی بھیڑ چال کی۔ جس طرح بھیڑیں، منہ اوندھائے اگلی بھیڑ کی دم سے لگی چلتی چلی جاتی ہیں۔ یہاں بھی حال وہی ہے۔ شادی بیاہ مذہب کا درجہ رکھتا ہے جس کے (اسلام سے ماوراء) اپنے فرائض، واجبات، سنتیں، مستحبات ہیں۔ جن کا تارک راندۂ درگاہِ معاشرہ ہے۔ قابلِ گردن زدنی ہے۔ سرِ مُو انحراف ممکن نہیں۔ یہی حال خاندانوں میں موت فوت کی رسومات کا ہے جو سنتِ رسول ﷺ سے منہ موڑے پانچوں دیگ میں اور سر کڑاہی میں دینے کا نام ہے۔ قل، جمعراتیں، دسویں، چالیسویں۔ اب بتایئے بندۂ مومن کی مصروفیت کا عالم کیا ہے! تعلیم، ملازمتیں، شادی بیاہ، فوتیدگی، بیچ بیچ میں انواع واقسام کی دیگر دعوتیں ہلے گلے۔ خرافاتیں از قسم سالگرا ہیں بے شمار افراد اقسام کی۔ گوروں سے اُدھار مانگے تہوار۔ ہندو ہمسائیوں کے ہاں سے آئے دن بندھے چلے آنے والے تہوار۔ ہمارے نامۂ اعمال پر تو جا بجا قورمہ، بریانی، کوفتے ہی ہونگے۔ یا پھر جوڑے، کپڑے، بتوں کا سیاپا! سو ریوڑ در ریوڑ ان تمام میں سے ایک ایک اپنی باری پر نکل کر ملک الموت سے ملاقات کر کے تنہا کہاں جا بستا ہے۔ کس حال میں ہوتا ہے۔ کچھ خبر نہیں۔! آدمؑ کی عظمت و برتری کی باتیں۔ بندۂ مومن کے پوری دنیا کے ٹھیکیدار بن کر امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور توحید حاکمیت کی باتیں آج اجنبی ہو چکیں! ان اجنبی باتوں کی خاطر جینا، انہیں حرزِ جان بنانا اور خالص ٹھیٹھ دین کے لئے جینا مرنا۔ یہی سب سے بڑا چیلنج ہے ہمارے لیے۔ سر اُٹھائے سیدھا ایک ہموار سیدھے راستے پر چلنا! قل ان صلاتی (باقی صفحہ 13 پر)

قتلِ غیرت: اسلامی نقطۂ نظر

پروفیسر عبدالعظیم جانباز

اسلام اور دو قومی نظریہ کے نام پر وجود میں آنے والی جدید تجربہ گاہ ''ریاست پاکستان'' اپنے قیام کے 69 برس بعد بھی تشخص اور شناخت کے بحران میں مبتلا ہے، ملک کا کثیر صاحب علم طبقہ اسے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مفکر پاکستان وبانیٔ پاکستان کے خوابوں کی تعبیر کے مطابق کامیاب اور پُر امن ملک دیکھنا اور بنانا چاہتا ہے اور اسی طبقہ میں سے بعض اسے سیکولر ریاست دیکھنے اور بنانے کے خواہاں ہیں، اس طرح بظاہر دو طبقے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں:

1۔ ایک وہ جو سورۃ النساء کی آیت نمبر 65 کی روشنی میں قرآن وسنت کی بالادستی کے ذریعے ملک کی کامیابی کے خواب دیکھتا ہے۔ (ترجمہ) ''اور تیرے رب کی قسم! یہ مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے تمام اختلافات میں آپ ﷺ کی شخصیت کو فیصلہ کن نہ مان لیں، دل میں تنگی اور ناخوشی محسوس نہ کریں، بلکہ دل وجان سے قبول کر لیں''

2۔ دوسرا وہ جو جدید علوم سے بہرہ ور ہے، اسلام کو اپنے لیے رول ماڈل نہیں سمجھتا اور نہ ہی معاشرہ وریاست کی تشکیل میں مذہب کو بنیادی کردار دینے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ میڈیا، عالمی ادارے اور مغربی حکومتیں اس کی بھرپور تائید کرتی ہیں، ان کے ہاں معاشرتی جرائم کی تشریح مذہب کی بنیاد پر نہیں، بلکہ انسانی رجحان کی بنیاد پر ہے۔

اس طرح ایک طرف یہ اپنے آپ کو مذہب سے آزاد اور دوسری طرف بالواسطہ طور پر اسباب جرائم کو ہوا دینے کے باعث ہیں۔ چنانچہ ایسی سوچ کے حاملین دیگر جرائم کی طرح زنا جیسے معاشرتی واخلاقی جرم کو جسمانی تھکاوٹ اتارنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس جرم کے ردِ عمل میں پیدا ہونے والے جذبات کو فرسودہ رسومات کا نام دے کر احساس ندامت کے بجائے اس کی شدت کو ہی ختم کر دیتے ہیں۔

پاکستان میں جرائم غیرت (زنا کا ردِ عمل) کے حوالے سے آخری قانون سازی آج سے 12 برس قبل اس وقت سامنے آئی جب اکتوبر 2004ء میں اقوام متحدہ نے اپنے اجلاس نمبر 69 کے ایجنڈا نمبر 98 کے تحت اپنے رکن ممالک سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ طبقہ نسواں کے خلاف عزت وغیرت کے نام پر ہونے والے جرائم کی مختلف شکلوں کو روکنے کے لیے اپنی کوشش، قانون سازی، انتظامی اقدامات اور منصوبہ بندی تیز کرے اور ایسے جرائم کی وجوہ، تدارک اور خاتمہ کے لیے متعلقہ افراد مثلاً پولیس، عدلیہ اور مُقننہ کو خصوصی تربیت دے۔

29 مئی 2014ء کو لاہور میں فرزانہ نامی حاملہ خاتون کے قتل کا المناک واقعہ پیش آیا۔ جڑانوالہ کی رہائشی فرزانہ کو گھر سے بھاگ کر اپنے آشنا محمد اقبال کے ساتھ عشق کی شادی کرنے کی پاداش میں اس کے رشتہ داروں نے لاہور ہائی کورٹ کے باہر اینٹیں مار مار کر قتل کر دیا، اس بہیمانہ واقعہ کو امریکی وزارت خارجہ، برطانوی وزیر خارجہ ولیم ہیگ اور اقوام متحدہ میں انسانی حقوق کے سربراہ نیوی پیلے نے انتہائی شرم ناک قرار دیتے ہوئے اس بارے میں سخت کارروائی اور فوری قانونی اقدامات کرنے کا مطالبہ کیا، اس سے پہلے کہ اس پر کوئی پیش رفت ہوتی ملک سیاسی وانقلابی دھرنوں کی زد میں آ گیا۔

غیرت کی تعریف

عربی زبان کی مشہور زمانہ لغات ''لسان العرب وتاج العروس'' میں غیرت کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''غیرت دل کی حالت بدل جانے اور غُصّہ کے سبب ہیجانی کیفیت طاری ہو جانے کو کہتے ہیں، جس کا سبب کسی ایسی شے میں دوسرے کی دخل اندازی ہوتا ہے جس کو انسان اپنے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے''۔

آج دنیا کا کوئی بھی مہذب معاشرہ اسلام کی اس خوبی کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس نے انسانی نفسیات کے مطابق اُن تمام صورتوں کی نشاندہی کر دی ہے کہ کن کن ہیجانی کیفیات کے طاری ہو جانے پر غیرت کھانی چاہیے نہ کہ اپنی یا معاشرتی خواہشات داثرات پر۔ فرمانِ رسول ﷺ ہے: اے امت محمد! اللہ کی قسم، روئے زمین وکائنات میں کسی شخص کو اس سے زیادہ غیرت نہیں

آتی، جب اللہ کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی بدکاری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ (صحیح بخاری)

غیرت کے نام پر عزت وناموس کے تحفظ کے لیے جدوجہد کے نتیجے میں قتل ہو جانے والا درجہ شہادت پر فائز ہوتا ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے: ''جو شخص اپنے اہل خانہ کی حفاظت (جان، مال، عزت) کی خاطر مارا جائے وہ شہید ہے''۔ (ترمذی) ایک اور روایت میں ہے جو اس کے ہاتھوں مارا جائے اس پر کوئی قصاص نہیں ہے۔

اسلام میں بدکاری اور اس کے مبادیات (ابتدائی کیفیات) کو بھی گناہ قرار دیتے ہوئے ان پر بھی لفظِ زنا کا اطلاق کیا گیا ہے، جو کہ اس گناہ کی شدت وقباحت کے اظہار کے لیے ہے، ورنہ حقیقی زنا وہی ہے جو بدکاری کا فعل حقیقی ہے اور اس کے ثبوت کے معروف تقاضے اور مخصوص سزا ہے، فرمانِ نبوی ﷺ ہے: ''آنکھوں کا زنا نظر بازی ہے، زبان کا زنا فحش گوئی ہے، دل کا زنا خواہش وہوس ہے اور شرم گاہ اس کی کُلی تصدیق یا تکذیب کر دیتی ہے''۔ (صحیح بخاری)۔ اور اس آخری کیفیت پر چار گواہوں کی شرط بھی ہے۔

ابتدائی جرائم سے قطع نظر جہاں تک غیرت کے نام پر قتل کا تعلق ہے تو اس بارے میں احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے عملاً بدکاری کی صورت میں بھی کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں دی، جس کا ثبوت مدینہ منورہ کے ایک انصار سردار صحابی سعد بن عبادہؓ کا نبی ﷺ سے یہ مکالمہ ہے، جب آپ ﷺ زنا کی سزا کے بارے میں بتا رہے تھے، اس نے سوال کیا کہ کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے شخص کو پائے تو کیا وہ اسے قتل نہیں کر سکتا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہرگز نہیں! سعد بولے، اس کا مطلب ہے کہ میں اگر اپنی بیوی کے ساتھ کسی شخص کو پالوں تو میں اسے کچھ نہیں کہہ سکتا، حتی کہ چار گواہ لے کر آؤں، نبی ﷺ نے فرمایا: ہاں! سعد کہنے لگے، ہرگز نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق اور سچ کے ساتھ مبعوث فرمایا، میں تو جلد ہی اس سے قبل تلوار سے اس کا کام تمام کر دوں گا، تب حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: سنو! اپنے سردار کی سنو! یہ بڑا غیور ہے، میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے۔ (صحیح مسلم)

اسلام میں ہر جرم کی سزا اس کی نوعیت کے مطابق مقرر کی گئی ہے اور یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے، نظر بازی، فحش گوئی اور عشق وفجور کے رویے اختیار کرنا گو کہ اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ ہیں مگر اس کی سزا یہ نہیں کہ ایسا کرنے والے کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، حتی کہ کنوارے مَرد وزن اگر زنا کاری بھی کر لیں تو شریعت اسلامیہ میں ان کی سزا قتل کے بجائے مقررہ حد تک کوڑے اور جلاوطنی سے زیادہ نہیں۔ غیرت کے حوالہ سے جرائم کی بعض سنگین صورتیں مجرموں کے لیے سزائے موت کو شرعاً جائز تو کرتی ہیں، تاہم ورثاء کے لیے پھر بھی قانون کو ہاتھ میں لینے کی ہرگز گنجائش نہیں، ایسا کرنا صرف مسلمان حاکم کا ہی استحقاق ہے۔ اسی طرح جن جرائم کی سزا قرآن وسنت نے مقرر کر دی ہے اس کی جگہ از خود دوسری سزا وہ کم ہو یا زیادہ مقرر کرنا بھی جائز نہیں۔

پاکستان میں قانونی طور پر جرائم غیرت کی تعریف اور مصدق مختلف ہیں، جن میں کاروکاری، سیاہ کاری اور وٹی جیسے جرائم کو ہی سامنے رکھ کر قانون سازی کی گئی ہے، چنانچہ ''عورت فاؤنڈیشن'' کے زیر اہتمام ''کرائم آف آنر'' نامی کتاب کی مصنفہ ملیحہ ضیاء لکھتی ہیں:

> ''عورت کے نام پر ارتکاب کیے جانے والے جرائم مثلاً کاروکاری، سیاہ کاری یا اس سے ملتی جلتی رسوم وروایات خاندان کے ارکان کو اس وجہ سے عورت اور مرد کو قتل کرنے کی اجازت دیتی ہیں کہ اس سے خاندان کو بے عزتی کا سامان کرنا پڑتا ہے''۔ (از ملیحہ ضیاء صفحہ نمبر 31)

صورت حال کا حل:

پاکستانی معاشرہ اس وقت جس المیہ سے دو چار ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہماری حکومتیں عوام کے سماجی اور دینی رجحانات کو مدنظر رکھ کر نہ تو قانون سازی کرتی ہیں اور نہ ہی قانون کے مطابق اقدامات کرتی ہیں، جس سے معاشرے میں پہلے شدید بے چینی، اضطراب اور پھر بے راہ روی پروان چڑھتی ہے۔ ایک طرف قانون کا طرفہ تماشہ یہ کہ زنا کا کیس ایس پی اور عدالت کی پیشگی اجازت کے بغیر درج نہ ہو، گویا اس طرح اس جرم کو تحفظ دیا جاتا ہے کہ اس کی ایف آئی آر ہی ناممکن بنا دی گئی۔

آخری سالوں میں ہونے والی قانون سازی کا منظر نامہ تو یہ ہے کہ عشق وفجور اور بے راہ روی اختیار کرنے والے تو معصوم ٹھہرے اور ان کو روکنے والے کسی تفصیل میں جائے بغیر سیدھے قانون کی گرفت میں۔ لوگ قانون کو ہاتھ میں لینے پر اس لیے مجبور ہوتے ہیں کہ ایک طرف مذہب اور ان کی درست سماجی روایات ان کو غیرت مندی کا درس دیتی ہیں، دوسری طرف کی افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ ہمارے ذرائع ابلاغ اور ہماری غلط بیہودہ سماجی روایات عشق ومحبت کو ایک مقدس قدر اور خوبصورت مقصدِ حیات کے طور پر پیش کر رہی ہیں، حالانکہ پاکستان کا کوئی بھی شخص اپنی بہن، بیٹی، بہو اور بیوی کے لیے کسی آشنا یا عاشق ومحبوب کا نام سننے پر آمادہ نہیں جو کہ تقاضائے غیرت بھی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں کہ ''غیرت انسانی فطرت میں شامل ہے اور جو غیرت مند نہیں، گویا بدفطرت ہے''، اسلام نے غیرت کو پسندیدہ قرار دیتے ہوئے اس کی تمام جائز اور مشروع شکلیں اور کیفیات واضح کر دی ہیں، جب کہ ناجائز مخاصمت، خود ساختہ غیرت مندی، قبائلی وعلاقائی رسومات، تعصب اور فرقہ وارانہ رویے واضح طور پر حرام قرار دیئے ہیں، اسی طرح کاروکاری، سیاہ کاری، ونی یا اس سے ملتی جلتی قبائلی رسومات وروایات سے لے کر خفیہ آشنائی، ناجائز راہ رسم اور تعلقات، بدکاری، خفیہ شادی، عشقیہ شادی اور قبائلی تعصبات کے زیر اثر خواتین پر ہونے والے مظالم سمیت اسلام ہرگز ہرگز اس کی اجازت یا سہولت نہیں دیتا اور نہ ہی ایسے جرائم کے سرزد ہو جانے پر کسی فرد یا گروہ کو قانون ہاتھ میں لینے کی یا از خود اس کی سزا تجویز کرنے کی اجازت دیتا ہے، شریعت اسلامیہ میں تمام معاشرتی مسائل کا حل موجود ہے۔

اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وارث شاہ جیسا صوفی شاعر عشق وفجور، خفیہ آشنائی، ناجائز مراسم اور تعلقات، بوس وکنار، اشتہال انگیز جذبات وخیالات کو عشق حقیقی کا نام دے کر سند جواز مہیا کرے۔ ہیر رانجا، لیلیٰ مجنوں، سوہنی مہیوال، سسی پنوں، مرزا صاحباں جیسے حیاء سوز قصے وکہانیاں ہمارے کلچر کا ادبی ورثہ ہوں۔ اسی طرح ایک اور صوفی شاعر شاہ حسین، جن کے متعلق فیروز سنز کے شائع شدہ ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' میں درج ہے کہ ''36 برس تک حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش کے مزار پر حاضری دی، اس دوران ایک خوبصورت ہندو برہمن لڑکے مادھولال پر عاشق ہو گئے، اپنے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کرتے، ڈاڑھی مونچھ منڈوا کر ناچنا گانا اور مادھو لال کو یقین دلانا کہ تمھارا نام میرے نام سے پہلے آئے گا''۔

یہ کیسا عشق حقیقی ہے جسے ہمارے معاشرے کا ادبی ورثہ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ ہمیں واضح طور پر دو مخالف راستوں میں سے ایک کا انتخاب اور اس کے لوازم اور نتائج وعواقب کے لیے خود کو تیار کرنا ہوگا، شریعت اسلامیہ کی صحیح وحقیقی تعلیمات سے واقفیت اور ان کا احترام لازم ہے ورنہ اس دورخی سے معاشرہ میں ہر طرف المیے جنم لیتے رہیں گے۔ حدود اللہ کا اپنی روح سے بروقت نفاذ واطلاق ہی مسائل کا حقیقی حل ہے۔

❁❁❁

پی ٹی آئی KPK کے قافلے کو روکنے کے لیے صوبہ پنجاب کی سرحد پر رکاوٹیں کھڑی کر کے حکومت نے جو پیغام دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت میں ایسے لوگ موجود ہیں جو پاکستان کی نظریاتی فکر اور سوچ سے بالکل عاری ہیں: ایوب بیگ مرزا

پانامہ لیکس کا معاملہ عدالت میں جانے سے نزاع کا شکار پاکستانی سیاست کو ایک بار پھر تحفظ مل گیا ہے۔ یہ پاکستان اور پاکستانی سیاست کے لیے بہت اچھا ہوا ہے: رضوان الرحمان رضی

جوڈیشل کمیشن کا قیام: پی ٹی آئی کی کامیابی یا کچھ اور؟ کے موضوع پر

حالاتِ حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں نامور دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہارِ خیال

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد رفیق چودھری

سوال : پانامہ لیکس کے حوالے سے جو عدالتی کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے کیا اس سے پانامہ لیکس کی گتھی سلجھ جائے گی؟

ایوب بیگ مرزا : سب سے پہلے میں اس پر اپنی خوشی کا اظہار کروں گا کہ ایک معاملہ جو انتشار کی طرف جا رہا تھا جس سے ملک میں اضطراب کی کیفیت تھی، روزگار، کاروبار بند ہوا چاہتا تھا وہ ختم ہو چکا ہے۔ میری یاداشت کے مطابق پاکستان میں یہ پہلی تحریک تھی جس کا انجام خیریت کی طرف جا رہا ہے۔ وگرنہ اس سے پہلے جتنی بھی تحریکیں اُٹھی ہیں ان کا انجام ٹھیک نہیں ہوا۔ ان کے نتائج بھی پاکستان کے لیے اچھے نہیں نکلے۔ 1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو اور قومی اتحاد کے درمیان مذاکرات ہوئے اور معاملہ تقریباً حل ہو چکا تھا لیکن دوسرے دن جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء لگا دیا۔ مولانا کوثر نیازی اپنی کتاب ”اور لائن کٹ گئی“ میں لکھتے ہیں کہ ضیاء الحق ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کے لیے آئے۔ جنرل صاحب کی خوش اخلاقی بڑی معروف تھی۔ اُس دن انہوں نے مجھ سے صحیح طرح ہاتھ بھی نہیں ملایا۔ پانامہ لیکس کی گتھی سلجھتی ہے یا نہیں سلجھتی لیکن ہمیں توقع کرنی چاہیے کہ جس طرح یہ معاملہ انتشار کی طرف جا رہا تھا اور یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی آئین سے ماوراء قدم نہ اٹھانا پڑ جائے، فوج کو مداخلت نہ کرنی پڑے، ایسا نہیں ہوا۔ فی الحال فریقین اس بات پر راضی تو ہوئے ہیں اور انہوں نے سپریم کورٹ کو تحریری یقین دہانی کرائی ہے کہ وہ سپریم کورٹ کا فیصلہ من وعن تسلیم کریں گے۔ لہٰذا ابھی یہ کہنا تو بالکل قبل از وقت ہے کہ اس سے گتھی سلجھے گی یا نہیں سلجھے گی لیکن معاملہ بالکل صحیح راستے پر آ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ فیصلے عدالتوں میں ہی ہونے چاہئیں اور سڑکوں پہ نہیں ہونے چاہییں۔ بہرحال اب معاملہ صحیح ٹریک پر آ گیا ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ یہ گتھی سلجھ جائے گی۔

سوال : فریقین نے عدالتی کمیشن کا فیصلہ قبول کرنے کا تحریری وعدہ کیا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے اس سے ادارے مضبوط ہو رہے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا : ادارے مضبوط ہونا تو بہت بڑی بات ہے اور بہت آگے کی بات ہے۔ آپ پہلا قدم اٹھا کر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے منزل پالی ہے۔ اداروں کا درست ہونا ابھی بڑا دور ہے۔ یعنی یہ پاکستان میں پہلی مرتبہ ایسا قدم اٹھایا گیا ہے جو امن کی طرف گیا ہے۔ لیکن اداروں کا ٹھیک ہونا ایک بڑی وسیع ٹرم ہے۔ وہ ابھی 99.9 فیصد خراب ہی ہیں۔ ابھی ان کے درست ہونے میں بہت وقت لگے گا۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حوالے سے پیش رفت صحیح سمت میں ہوئی ہے۔

سوال : آپ نے فرمایا کہ پہلا step صحیح سمت میں گیا ہے۔ کیا معاملات واقعتاً ایسے ہی ہیں یا کوئی معاملہ بیک ڈور ڈپلومیسی کی طرف گیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا : یہ معاملہ تقریباً اپریل سے شروع ہے۔ کوئی فریق اس طرف نہیں آ رہا تھا۔ ٹی او آرز کے حوالے سے بات بن ہی نہیں رہی تھی۔ کہا گیا کہ پارلیمنٹ سب سے بالا دست ہوتی ہے لیکن اس نے کوئی کام نہیں کیا۔ یہاں تک کہ پارلیمنٹ کی قائمہ کمیٹی نے جب ان اداروں کے سربراہوں کو بلایا جن پر پانامہ پیپرز کے حوالے سے تحقیقات کی ذمہ داری آئینی طور پر عائد ہوتی ہے تو انہوں نے بھی صاف کہہ دیا کہ ہم اس حوالے سے کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارے پر جلتے ہیں۔ لہٰذا اس سلسلے میں پہلے تو کام نہیں ہو رہا تھا۔ اب سپریم کورٹ نے ازخود نوٹس لیا ہے اور ہماری اُمیدیں بھی سپریم کورٹ سے ہی تھیں کیونکہ معاملہ اتنا اہم تھا کہ اسے شروع ہی سے ازخود نوٹس لے لینا چاہیے تھا۔ لیکن انہوں نے نوٹس نہیں لیا۔ اس کے بعد بڑی مشکل سے درخواست گئی جسے رجسٹرار نے مسترد کر دیا لیکن پھر جب حالات کچھ بگڑنے لگے تو چیف جسٹس نے خود اسی درخواست کو قبول کیا اور یہ معاملہ چل پڑا۔ لیکن ابھی بھی معاملہ شاید سست روی سے ہی چلتا اگر ملک میں یہ ہیجانی واضطرابی کیفیت پیدا نہ ہوتی۔ اب تو کام حیرت انگیز طور پر تیزی سے آگے بڑھا ہے۔ یہاں تک کہ سرکاری وکیل نے کہا کہ آپ ہمیں تھوڑا وقت دیں۔ لیکن عدالت نے کہا کہ نہیں! آپ کو ایک دن کا وقت دیا جاتا ہے آپ پرسوں کاغذات جمع کرائیں اور فریقین کو کہا گیا کہ اپنے ٹی او آرز فوراً لائیں۔

سوال : عمران خان نے ہائی کورٹ کا فیصلہ تو نہیں مانا تھا لیکن سپریم کورٹ کے فیصلے پر اپنا لاک ڈاؤن والا پلان ملتوی کر دیا ہے۔ آپ کے خیال میں عمران خان کے اس فیصلے کا پس منظر کیا ہے؟

رضوان رضی : پاکستانی سیاستدانوں کے فیصلے ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتے۔ عمران خان نے پہلے 30 اکتوبر کی تاریخ دی تھی پھر وہ اسے 2 نومبر پر لے گئے۔ لیکن کارروائی انہوں نے 28 اکتوبر سے شروع کر دی اور اس کے لیے بلڈ اپ 22,21 اکتوبر کو ہی شروع کر دیا۔ ایسا کیوں تھا؟ میں نے آپ کے ہی ایک پروگرام میں عرض کیا تھا کہ جنرل راحیل شریف چاہتے ہیں کہ وہ اپنی رخصتی سے پہلے سی پیک کے پہلے Symbolic تجارتی قافلے

کو گوادر میں خوش آمدید کہیں۔ اب مزے کی بات یہ ہے کہ اس قافلے نے گوادر جانے کے لیے اگلے 72 گھنٹوں میں ان راستوں سے گزرنا تھا جن راستوں پر پولیس اور پی ٹی آئی کے کارکنوں میں تصادم ہو رہا تھا اور سارے راستے بند ہو چکے تھے۔ تو لہٰذا یہ سیاسی فیصلہ نہیں ہے بلکہ میں اسے اسٹریٹیجک فیصلے کا نام دیتا ہوں۔ اسی وجہ سے حکومت نے بھی رکاوٹیں ہٹانے میں دیر نہیں لگائی اور پی ٹی آئی کے کارکنوں نے بھی آگے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔

سوال :سیاسی پارٹیاں کچھ بھی کہیں لیکن عدالت نے تو ایک محفوظ راستہ دے دیا ہے اور عدالت نے ایک بڑی ذمہ داری لی ہے؟

رضوان رضی :یہی بات پہلے عدالت کی طرف سے کہی گئی تھی۔ لیکن لاک ڈاؤن اس پر ہو رہا تھا کہ اپوزیشن حکومت کے ٹی او آرز نہیں مانتی تھی اور حکومت اپوزیشن کے نہیں مانتی تھی۔ اب عدالت نے کہا ہے کہ دونوں فریق اپنے اپنے ٹی او آرز ہمارے پاس لے آؤ لیکن اس سے پہلے آپ ہمیں لکھ کر دو کہ ہم جو فیصلہ کریں گے اس کو آپ دونوں قبول کریں گے۔ یہیں سے اخلاص کا پتا چل جائے گا جب یہ دونوں پارٹیاں اپنے ٹی او آرز لکھ کر دیں گی۔ ان ٹی او آرز کے مطابق سپریم کورٹ کچھ نئے ٹی او آرز بنالے گا۔

سوال :سپریم کورٹ کا 22 اپریل کا جو فیصلہ تھا جو بات اس وقت تھی کیا آپ کے خیال میں وہی اب ہے؟ یا اس میں کوئی فرق ہے؟

رضوان رضی :اس میں اب فرق ہوگا۔ اب سپریم کورٹ کا رول فیصلہ کن ہوگا۔ دیکھئے! پہلے اگر سیاستدان رضامند ہو جاتے تو یہ معاملہ سیاستدانوں کے ہاتھ میں ہی رہتا۔ جبکہ اب یہ معاملہ عدلیہ کے ہاتھ میں چلا گیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھا ہوا ہے۔ گویا پاکستانی سیاست کو ایک طرح کا تحفظ مل گیا ہے۔ اگر دو فریق ہوں تو ان کے درمیان جھگڑا چلتا رہتا ہے لیکن جب تیسرا فریق بیچ میں آجاتا ہے تو معاملات اس کے ہاتھ میں چلے جاتے ہیں۔ اب تیسرا فریق عدلیہ ہے اور عدلیہ جو بات کرے گی تو اس کے خلاف بات کرنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوگی۔ لہٰذا پاکستان کے لیے، پاکستان کی سیاست کے لیے یہ بہت اچھا ہوا ہے۔

سوال :عمران خان کے لاک ڈاؤن کی کال واپس لینے سے حکومت کو کوئی سیاسی فائدہ حاصل ہوا ہے؟

رضوان رضی :اسلام آباد کے اندر بہت ساری ایسی چیزیں ہو رہی ہوتی ہیں جن کو ہم اپنی تنگ نظری کے باعث نہیں دیکھ پا رہے۔ ہم اسے لوکل نقطۂ نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جبکہ وہ انٹرنیشنل نقطۂ نظر سے ہو رہی ہوتی ہیں۔ جیسے سنٹرل ایشائی ممالک سے بہت اعلیٰ لیول پر ڈپلومیسی ہوئی ہے۔ پاکستان کے حوالے سے انڈیا نے جو کہا تھا کہ وہ ہمیں isolate کرنے جا رہا ہے اس پر پاکستان نے بڑی زبردست سفارتکاری کی ہے۔ پاکستان کے صدر سنٹرل ایشین ملک کے دورے پر گئے ہیں اور وہاں کے تین لوگ پاکستان کے دورے پر آئے ہیں۔ پھر کارگ کی پریس کانفرنس ہوئی ہے۔ اسی طرح سنٹرل ایشین ریپبلکس، پاکستان اور افغانستان کو ملانے والی جس روڈ کے منصوبے کو ورلڈ بینک فنانس کر رہا ہے اس کی میٹنگ اسلام آباد میں

> معلوم ہوتا ہے کہ یہ جوڈیشل کمیشن کسی ایک انڈرسٹینڈنگ کا نتیجہ ہے تاکہ ملک میں اضطراب وانتشار کی کیفیت کو ختم کیا جاسکے۔

ہوئی ہے اور ہمارے وزیراعظم نے اس میٹنگ میں خطاب کیا ہے۔ اس کے بعد آئی ایم ایف کی سربراہ پاکستان کے دورے پر آئی اور اس نے پاکستان کے ترقیاتی منصوبوں کو سراہا ہے۔ اسی طرح ایشیائی ترقیاتی بینک کے نمائندے پاکستان کے دورے پر آئے۔ تو اسلام آباد میں اتنی زیادہ سفارتکاری ہو رہی تھی لیکن جیسے ہی دھرنے کا اعلان ہوا تو وزیراعظم پاکستان کا کرغیزستان کا دورہ منسوخ ہو گیا، کلبھوشن یادیو کے dossier جمع کرنے کا معاملہ delay ہو گیا اور بہت ساری اہم سرگرمیاں رک گئیں۔ جیسے ہی 28 اکتوبر کو عمران خان کا پہلا شوڈاؤن ہوا ہے اسی دن ہی غیر ملکی سرمایہ کاروں نے جن میں امریکن dominate کرتے ہیں پاکستان کی سٹاک مارکیٹ میں دھڑا دھڑ سرمایہ کاری شروع کر دی اور خریداری شروع کر دی تھی۔ لہٰذا لاک ڈاؤن کی کال واپس لینے سے ملک کو فائدہ ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت کو بھی سیاسی فائدہ ہوا ہے۔

سوال :رضوان الرحمان رضی صاحب نے جو کہا کہ سی پیک کے قافلے کا راستہ کلیئر کرنے کے لیے عمران خان کو اپنا لاک ڈاؤن کا فیصلہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس پر آپ کیا کہیں گے؟

ایوب بیگ مرزا :میں رضوان الرحمان رضی صاحب کے سیاسی شعور اور فہم کا بہت قائل ہوں۔ وہ بعض اوقات بڑی گہری بات کرتے ہیں لیکن آج ان کی گفتگو کے حوالے سے مجھے شدید اختلاف ہے اور میں اسے درست نہیں سمجھتا۔ دیکھئے! اگر عمران خان نے لاک ڈاؤن کا فیصلہ 2 نومبر کو ہی پیک کے قافلے کو راستہ دینے کے لیے ملتوی کیا ہے تو کیا حکومتوں اور خاص طور پر فوج کے دوسرے ممالک کے ساتھ معاملات اتنے قلیل وقت پر مبنی ہوتے ہیں کہ انہیں پتہ نہیں چل سکا کہ قافلہ 2 نومبر کو گزرے گا اور اسی روز دھرنا ہو رہا ہے اور انہوں نے کوئی پلاننگ نہیں کی؟ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بالکل خلاف حقیقت بات ہے۔ اگر یہی وجہ ہوتی تو فوج عمران خان کو پہلے ہی روک سکتی تھی۔ حالانکہ پی ٹی آئی نے دو دن مزید آگے بڑھائے تھے اور اس حوالے سے سپریم کورٹ بار نے باقاعدہ ان سے درخواست کی تھی کہ 31 کو ہمارے الیکشن ہو رہے ہیں۔ میں یہ بات بھی نہیں مانتا کہ پی ٹی آئی نے 28 کو بلڈاپ شروع کیا بلکہ 27 تاریخ کو حکومت نے پی ٹی آئی کے یوتھ فسٹیول پر پہلا حملہ کیا ہے۔ حالانکہ وہ فسٹیول چار دیواری کے اندر ہو رہا تھا لیکن اس کے باوجود حکومت نے ان پر چارج کیا۔ جس پر پھر اشتعال پھیلا۔ کلبھوشن یادیو کے dossier کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ وہ جمع نہیں کرائے جا سکے حالانکہ وزارت خارجہ کا 30 اکتوبر کو اخبارات میں یہ بیان شائع ہوا ہے کہ ابھی ہم تیار نہیں کر سکے۔ جب dossier تیار ہوں گے تو ہم ان کو دیں گے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ یہ معاملہ اس طرح کا نہیں ہے جیسا کہ رضوان رضی صاحب کا خیال ہے۔ البتہ میں ان کی اس بات کی بالکل تائید کرتا ہوں کہ لاک ڈاؤن کی کال واپس لینے کا معاملہ واقعتاً خوش آئند ہے۔ ابھی تو اس کا آغاز ہے، اللہ کرے کہ وہ آخر تک خوش آئند ہی رہے۔

سوال :لاک ڈاؤن کی کال پر KPK سے پرویز خٹک کی قیادت میں آنے والے قافلے پر ایم کیو ایم نے اعتراض کیا اور پرویز خٹک کے بیان پر سندھ اسمبلی میں مذمتی قرارداد جمع کرائی۔ وزیراعلیٰ KPK کی اس مومنٹ کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ایوب بیگ مرزا :KPK سے قافلہ اس لیے آ رہا تھا کہ KPK میں ان کی حکومت ہے اور پنجاب سے قافلہ اس لیے نہیں جا سکا کیونکہ پنجاب میں ن لیگ کی حکومت ہے اور وہاں راستے اس طرح بند کر دیئے گئے تھے کہ کوئی سائیکل بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ پرویز خٹک نے واپسی پر ایک بیان دیا آتے ہوئے نہیں دیا۔ جو انتہائی قابل مذمت ہے۔ انہیں اس پر معافی مانگنی چاہیے۔ لیکن خود حکومت نے صوبائی سرحد پر لائن بندی کر کے جو پیغام دیا وہ بھی قابل مذمت ہے۔ اصل مقصد اگر انہیں اسلام آباد کو لاک ڈاؤن کرنے سے روکنا تھا تو اس کا بڑا آسان طریقہ یہ تھا کہ انہیں صوبہ پنجاب میں داخل ہونے کے بعد اسلام آباد سے 30,25 کلومیٹر پہلے روک لیا جاتا۔ لیکن حکومت نے صوبے کی سرحد پر رکاوٹیں کھڑی کر کے انہیں پیغام دیا کہ تم الگ ہو۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ پرویز خٹک پر اگر غداری کا مقدمہ ہوتا ہے تو

یہی مقدمہ پنجاب حکومت پر بھی ہونا چاہیے کیونکہ پرویز خٹک نے جو زبانی بیان دیا وہ پنجاب حکومت نے عملی طور پر کر کے دکھا دیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ حکومت نے کسی غداری کی نیت سے ایسا کیا ہے لیکن یہ بہت بڑی حماقت کی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ حکومت میں ایسے لوگ بیٹھے ہیں جو پاکستان کی نظریاتی فکر وسوچ سے بالکل عاری ہیں۔

سوال :نواز شریف کا پانامہ لیکس کے حوالے سے شروع میں عدالت عظمیٰ سے تقاضا تھا کہ وہ 1956ء کے ایکٹ کے تحت پروسیڈنگ کرے۔ اب جو عدالتی کمیشن اس حوالے سے بن رہا ہے وہ کس ایکٹ کے تحت ہے؟

ایوب بیگ مرزا :آپ کو معلوم ہے کہ اس جوڈیشل کمیشن کو پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ پورے اختیارات دے کر قائم کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ اس کمیشن کا جو فیصلہ ہوگا وہ سپریم کورٹ کا فیصلہ تصور کیا جائے گا۔ پھر یہ کہا گیا کہ اس کی روزانہ کی بنیاد پر سماعت ہو۔ یہ بھی کہا گیا کہ مقررہ وقت کے اندر فیصلہ آجائے گا۔ تو باتیں بہت اچھی ہیں۔ ورنہ پاکستان میں عدالتی کمیشنز کی تاریخ اتنی اچھی نہیں رہی۔ لیکن یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ یہ جوڈیشل کمیشن کس ایکٹ کے تحت قائم کیا گیا ہے حالانکہ 56ء کے ایکٹ سے ہٹ کر جوڈیشل کمیشن بنانے کے لیے باقاعدہ قانون سازی کی ضرورت ہے اور وہ قانون سازی صرف قومی اسمبلی کر سکتی ہے۔ اس سارے پراسس کے بغیر اگر یہ کمیشن بنایا جا رہا ہے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کسی ایک انڈرسٹینڈنگ کا نتیجہ ہے تاکہ ملک میں اضطراب وانتشار کی کیفیت کو ختم کیا جا سکے۔ ملک کے ماہر قانون دان سینیٹر اعتزاز احسن اس کیس کو عدالت میں لے جانے کے بڑے سخت خلاف تھے لیکن اب ان کی گفتگو سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہیں بھی اب کچھ اُمید نظر آئی ہے۔ میرے خیال میں یہ اقدام عوامی دباؤ کے تحت ہوا ہے جس کو ججز نے بھی محسوس کیا اور اس کے مطابق عمل کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر سپریم کورٹ نے ایسا کیا ہے تو یہ ملکی مفاد میں بہتر ہوگا چاہے وہ کسی قانون کے تحت ہے یا نہیں ہے۔

سوال :پانامہ لیکس کا معاملہ ایک انٹرنیشنل معاملہ تھا۔ لیکن دوسرے ممالک میں یہ فوراً حل ہو گیا۔ وہاں کسی نے استعفیٰ دے دیا، کسی نے جا کر عدلیہ میں وضاحت پیش کر دی لیکن پاکستان میں delay ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کے خیال میں اس delay کی وجہ کیا ہے؟

ایوب بیگ مرزا :دوسرے ممالک میں بھی بہت سی تلخیاں اور رکاوٹیں آئی ہیں لیکن نوبت اس حد تک نہیں پہنچی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہی وہ بات ہے جس کے لیے ہم عرصہ دراز سے چیخ رہے ہیں۔ اسلام کا کیچ ورڈ ہے ''عدل''۔ یعنی اگر آپ عدل کو اسلام سے نکال دیں تو اسلام میں کچھ نہیں بچتا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی بنیاد عدل پر ہے۔ اسی لیے خلیفۂ وقت کو بھی قاضیٔ وقت جب چاہے طلب کر لیتا تھا۔ اسلام کے دور خلافت میں بے شمار ایسی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت علیؓ جیسی عظیم المرتبت شخصیت، امیر المومنین تھے، اگرچہ وہ حق پر تھے، عدالت میں ان کے خلاف فیصلہ ہو رہا تھا لیکن وہ سر جھکا کر اس کو قبول کر رہے تھے۔ اسلام کا نظام عدل اجتماعی معاشی حوالے سے بھی ہے اور معاشرتی حوالے سے بھی ہے۔ ہمارے لیے مصیبت یہ ہے کہ ہم

> ہمارے لیے مصیبت یہ ہے کہ ہم نے مارشل لاء آزما لیے، ہم نے صدارتی نظام اپنا لیے، پارلیمانی نظام اپنا لیے۔ لیکن ہم اس نظام کو اپنانے کے لیے تیار نہیں جس نظام کی بنیاد پر یہ ملک بنا تھا۔

نے مارشل لاء آزما لیے، ہم نے صدارتی نظام اپنا لیے، پارلیمانی نظام اپنا لیے۔ لیکن ہم اس نظام کو لینے کے لیے تیار نہیں جس نظام کی بنیاد پر یہ ملک بنا تھا اور اس نظام کے حوالے سے آپ نے دیکھا کہ اگرچہ ہمارے ہمسائے ملک (افغانستان) میں مکمل اسلامی نظام نہیں آیا تھا لیکن اسلامی نظام بڑی حد تک ملا عمر کے دور میں آ گیا تھا۔ افغانستان کے لوگوں کو روٹی کھانے کو ہو یا نہ ہو لیکن ہر شخص کے پاس اسلحہ ضرور ہوتا ہے لیکن جب ملا عمر نے اسلحہ جمع کرانے کی اپیل کی تو سب نے جمع کرا دیا۔ یہ ایک نیک اور عادل حکمران کی آواز تھی۔ اگر پاکستان میں بھی اسلامی نظام ہوتا تو پانامہ لیکس کے معاملے پر دوسرے دن ہی وقت کا قاضی القضاۃ وزیر اعظم کو طلب کرتا اور یہ وزیر اعظم کے لیے بہتر تھا، اگر اس کے ہاتھ صاف ہوتے تو یقیناً اسلامی نظام میں اس کے حق میں فیصلہ ہو جاتا اور اگر اس نے کچھ کیا ہوتا تو اس کو سزا ہو جاتی۔ لیکن یہ اصل میں نظام کی کمزوری ہے کہ آٹھ مہینے سے ہم پانامہ لیکس کو رگڑا دے رہے ہیں۔ پھر عدلیہ کو کیس جاتا بھی ہے تو عدلیہ کہتی ہے کہ اس کا فیصلہ آنے میں ایک صدی لگ جائے گی۔ یقیناً اسلامی نظام میں بھی قانونی پیچیدگیاں آڑے آتی ہیں لیکن اس میں معاملے کو اس طرح لٹکایا نہیں جاتا، تین چار دنوں میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ دوسری طرف ہماری معیشت جو خراب ہے تو وہ سودی نظام کی وجہ سے ہے جبکہ اسلام سود کی جڑ کاٹتا ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ جو ہم در در کے دھکے کھا رہے ہیں اور ذلیل وخوار ہو رہے ہیں تو اس کی صرف اور صرف وجہ یہ ہے کہ ہم نے اسلام کے نظام عدل اجتماعی کو اپنانے کی بجائے ایک استحصالی نظام کو اپنایا ہوا ہے۔

سوال :انتخابی دھاندلی کے حوالے سے جو عدالتی کمیشن بنا تھا اور اس نے جو فیصلہ دیا تھا اگرچہ عمران خان نے اس کو تسلیم کیا تھا لیکن وہ اس پر اکثر تنقید کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح پانامہ لیکس کے حوالے سے جو کمیشن بن رہا ہے اس پر ذمہ داری لے کر عدلیہ کیا بہت بڑا رسک نہیں لے رہی؟ کیا اس سے عدلیہ کی ساکھ داؤ پر نہیں لگ جائے گی؟

ایوب بیگ مرزا :آپ کو معلوم ہے کہ عدالتی فیصلے کو ماننا لازم ہے۔ خود عدالت اس کی اجازت دیتی ہے کہ آپ اس پر تبصرہ کر سکتے ہیں اور اس پر کسی قسم کی کوئی عدالت نہیں لگتی۔ البتہ مقدمہ کے دوران آپ ایسا کریں گے تو وہ قانونی جرم بن جائے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے عدلیہ کی ساکھ کو قطعی طور پر کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اس پر تبصرے تو ہوں گے لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکے گا کہ میں فیصلے کو نہیں مانتا۔ اس تبصرے کو آنا چاہیے تاکہ ججز حضرات بھی اور آنے والے ججز بھی اس بات کو سمجھ سکیں کہ اس معاملے میں دوسرے فریق نے کیا بات کی ہے اور اس میں کمی بیشی ہو گی تو وہ آئندہ اس طرح کے کیس میں دور کریں گے۔ لہٰذا تنقید سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاہے جیسا بھی فیصلہ ہو اس سے عدلیہ کی ساکھ بڑھے گی کم نہیں ہو گی اور اگر کسی نے اس کا فیصلہ نہ مانا تو وہ سیاسی طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

بقیہ: کارِ تریاقی

ونسکی و محیای و مماتی للّٰہ رب العٰلمین حقیقتاً اپنی (نماز اور قربانیاں، جینا مرنا صرف اور صرف اللہ رب العالمین کے لیے۔ اس کے بتائے ہوئے، طے کردہ طریقے کے مطابق۔ من مانیاں، ہیرا پھیریاں چھوڑ کر! جبکہ یہاں تعلیم دین کی اہمیت کی تعلیمات اور ساری احادیث (جو دینی تعلیم کی فرضیت کی ہیں) بے خدا سیکولر بلکہ خدا بیزار، برسرِ پیکار بہ اسلام (تعلیم) کے لیے لانا پڑھانا! شادی بیاہ، موت فوت کے طوفانی ایجنڈے، صلہ رحمی کی آڑ میں سنت سے انحراف، حدیں پامال کر کے پوری کرنا۔ حوالہ یہاں بھی اسلام ہی ہے۔ اللہ اس بھیڑ چال روش سے محفوظ رکھے۔ آمین!

ایک ماڈرن صوفی کی کہانی

محمد موسیٰ بھٹو

جدید دور میں تصوف کے نام پر دکانداری کی جو روش جاری ہے، اس نے اُمت کے اس پاکیزہ ادارے کا وقار و شرف مجروح کر دیا ہے، یہاں تک کہ اب تصوف واہل تصوف کی ضرورت اور اس سے استفادہ کی بات کرنا ہی دشوار ہو گیا ہے۔

عالمی سطح کے ایک ماڈرن سرمایہ دار صوفی نے اپنے کردار سے تصوف کو جو نقصان پہنچایا ہے، اس کے ازالہ کی شاید ہی کوئی صورت پیدا ہو سکے۔ عالمی استعمار سے مل کر دنیا بھر کے مسلمانوں کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھنے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے والی حکومت کے خاتمہ کے لیے سازشی کردار ادا کرنا، اس صوفی نے اپنے اس کردار سے اہل تصوف کی ساکھ کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔

اس طرح کے ماڈرن صوفی ایک نہیں، کئی ہیں، اس طرح کے ماڈرن صوفیوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ تصوف کے مسلمہ سلسلوں کے بزرگوں کی طویل عرصہ کی صحبت کے ذریعہ اصلاحِ نفس کے مراحل سے گزرے بغیر محض اوراد و ظائف کی مشقوں سے صوفی بن کر سامنے آئے ہیں، چونکہ وہ ذہنی وفکری، علمی وخطیبانہ صلاحیتوں میں ماہرانہ صلاحیتوں کے حامل ہوئے ہیں، اس لیے اوراد و وظائف کے ذریعہ حاصل ہونے والی تاثیری وتسخیری صلاحیتوں کو انہوں نے پیری مریدی کے مقاصد کے لیے استعمال کیا۔

بزرگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تصوف کے مسلمہ سلسلوں کے بقا باللہ کے حامل کسی بزرگ کی زیر صحبت طویل عرصہ کے مجاہدوں کے ذریعے نفسی قوتوں کو پامال کئے بغیر کوئی بھی فرد صوفی یا بزرگ نہیں بن سکتا۔ صوفی یا مربی و مزکی، شیخ یا مرشد بننے کے لیے انا، شیخی اور حب مال جیسے بتوں سے آخری حد تک نجات ضروری ہے، دوسری صورت میں اس مسند پر فائز ہونے والا فرد اپنے لیے، معاشرہ کے لیے اور اسلام وملت کے لیے المیہ بن جائے گا۔

چونکہ مجاہدوں کے ذریعے نفسی قوتوں کی پامالی کا عمل دشوار ترعمل ہے۔ یہ زہد، فقر اور دنیا واہل دنیا سے بے نیازی کی راہ ہے۔ اس لیے اس راہ پر چل کر نفسی قوتوں کی فنائیت کے مراحل سے گزرے بغیر نفس نے یہ راہ سجھائی ہے کہ بعض وظائف پر مداومت سے تاثیری وتسخیری صلاحیتیں حاصل کی جائیں۔ اس طرح پیری مریدی کی راہ آسان بھی ہو جائے گی تو حب جاہ وحب مال کے مقاصد کی تکمیل کی صورت بھی پیدا ہو جائے گی۔

ماڈرن صوفیوں کے اس کردار اور اس منظر کو حقیقی درویش، اہل اللہ اور فقیر منش صوفی دیکھ کر عبرت حاصل کر رہے ہیں اور اللہ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے انہیں شہرت سے بچایا ہے کہ لوگ انہیں پہچانتے نہیں، اس طرح مریدوں کے جم غفیر سے بچا کر وہ اپنی اصلاح اور درویشی وفقیری کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ محض اس کا فضل ہے کہ اس نے اس پُرفتن دور میں انہیں بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے اور زہد وفقر کی راہ پر گامزن رہنے کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔ اس طرح کے اہل اللہ جن کی غلامی کی سعادت ہمیں بھی حاصل ہے، ان کی بدولت ہی کائنات کا یہ نظام اور یہ رونق قائم ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک دنیا میں ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا موجود ہے۔

جس ماڈرن صوفی کی بات ہو رہی ہے، وہ اور انہی کی طرح کے دوسرے ماڈرن صوفیوں کی ابتلا و آزمائش میں آنے کا بنیادی سبب یہ ہے کہ انہوں نے تصوف واہل تصوف کے متعین کردہ اصولوں کی خلاف ورزی کر کے نیا جعلی تصوف ایجاد کیا، جس میں سلاسل کے مجاہدے حذف کر دیئے گئے۔ 'شہرت سے بچ کر گمنامی کی راہ' سے فرار اختیار کیا گیا۔ حصول دولت کی کوششیں شروع کر دی گئیں، انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ یہ دولت مقامی و عالمی سرمایہ داروں کی طرف سے کن مقاصد کے لیے حاصل ہو رہی ہے۔ ان ماڈرن صوفیوں نے تصوف کو خواہشات نفس کا ذریعہ بنایا۔ جس کی سزا کے طور پر انہیں دنیاداری کی راہ پر لگا دیا گیا، انہیں دنیا و شہرت تو مل گئی، لیکن انہیں کردار کے بحران سے دوچار کر دیا گیا اور امت کی سنجیدہ علمی، روحانی شخصیتوں اور خود عام لوگوں میں ان کے احترام و وقار کو مجروح کر دیا گیا، تصوف واہل تصوف وصوفیت کو جو شخص بھی خسیس دنیاوی مقاصد کے لیے استعمال کرے گا، اس کا حشر اس کے علاوہ دوسرا ہو سکے، ممکن نہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں اس حشر سے بچائے) آمین

عالمی سطح کے جس ماڈرن صوفی کی بات کی گئی، وہ غیر معمولی ذہنی وعلمی و خطیبانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ 25 سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں تصوف کے موضوع پر کئی کتابیں شامل ہیں۔

موصوف کی کتابیں دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھپی ہیں، اُردو و سندھی زبان میں بھی ان کی کتابیں دستیاب ہیں، یہ ماڈرن صوفی داڑھی جیسی سنت کو جو سارے اہل اللہ کا امتیازی نشان رہی ہے، اسے غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ صوفی کفر کی عالمی قوتوں کو اسلام اور مسلم امت کے لیے خطرہ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ وہ ان کی سرپرستی میں رہ کر کام کرنے کی راہ پر گامزن ہیں۔ یہ صوفی فلسطین میں اسرائیل کے بے پناہ مظالم کو حق بجانب سمجھتے ہیں یا کم از کم مظالم پر احتجاج کو غلط سمجھتے ہیں، یہ صوفی عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مل کر کام کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اسلام کے لیے ان کی سرگرمیوں کو باعث تشویش نہیں سمجھتے، بلکہ اسلام کی اس طرح کی ایڈیشن کی تیاری کے لیے کوشاں ہیں، جس میں سارے غلط مذاہب کی صورت وگنجائش پیدا ہو سکے۔

یہ صوفی امریکہ میں 400 سو ایکڑ کی ذاتی اسٹیٹ، 3002 ہزار کنال کے گھر میں رہ رہا ہے۔ امریکہ میں اس کے 129 اسکول ہیں جن کی آمدنی 400 سو ملین ڈالر ہے۔ 1913ء کی رپورٹ کے مطابق اس کی سالانہ آمدنی تین بلین ڈالر یعنی تین ہزار کھرب روپے تھی۔

موصوف کے دنیا بھر میں ماڈرن سکول قائم ہیں۔ جن میں مذہبی تعلیم کم سائنسی تعلیم زیادہ دی جاتی ہے۔ ان سکولوں سے نکلنے والے افراد ان کی فکر سے تو ضرور متاثر ہوتے ہیں لیکن اس دور میں اسلام اور مادیت پرست قوتوں کے درمیاں جو کشمکش جاری ہے اس میں ان کا وزن اسلام کے حق میں شامل نہیں ہوتا، بلکہ ان کی نظر میں بہتر مادی زندگی ہی مقصود کی حیثیت رکھتی ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ اس طرح کے ماڈرن صوفی معاشرے میں کافی موجود ہیں۔ جو عالمی سرمایہ داروں یا ان کے اشارۂ ابرو پر مقامی سرمایہ داروں کی سرپرستی میں پھل پھول رہے ہیں اور شان ومان کی زندگی ان کا ہدف بن چکی ہے۔

مذکورہ ماڈرن صوفی اور انہی کی طرح کے دوسرے ماڈرن صوفیوں نے تصوف کے موضوع پر جو کتابیں لکھی

ہیں ان میں راہ سلوک کے مراحل، طالب کی کیفیات و حالات اور عشق و محبت کی باتیں، صبر و شکر کے مقامات، معرفت کے حقائق وغیرہ، یہ ساری چیزیں موجود ہیں جو بزرگوں نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں اور جو تصوف کا حاصل اور اس کا جوہر ہیں۔ یہ صوفی، اکابر بزرگوں کی کتابوں کے مطالعہ اور اپنی غیر معمولی ذہانت سے تصوف کا جوہر پیش کرنے میں تو کامیاب ہیں لیکن نفس کی شوریدہ قوتوں سے مقابلہ کر کے درویشانہ زندگی پر عامل ہونے کی صلاحیت واستعداد سے محروم ہیں۔ ان کی زندگی کا اصل کردار مسلم ریاستوں میں فساد برپا کرنا، حکومتوں کو متزلزل کرنے کی حرکتیں کرنا، اس مقصد کے لیے دنیادار سیاستدانوں کی طرح کے حربے اختیار کرنا، زیادہ سے زیادہ مال بنا کر کروڑ پتی سے ارب پتی بننے کے لیے کوشاں ہونا ہے۔ یہ ساری چیزیں اس بات کی علامت ہیں کہ وہ تصوف کی اصلیت اور اس کی فقر وزہد کی حلاوتوں سے ناآشنا ہیں۔ اگر وہ غیر معمولی مجاہدوں کے ذریعہ تصوف کی ان حلاوتوں سے بہرہ ور ہوتے تو وہ مال و دولت اور دنیاوی فتوحات کی خواہشوں اور ان کے لیے کاوشوں سے محفوظ ہوتے جس طرح بزرگان دین ہمیشہ محفوظ رہے ہیں۔

مسلم تاریخ میں اہل تصوف کے کردار کا سب سے اہم پہلو یہ رہا ہے کہ معاشرہ میں جب بھی مادی خوشحالی، مادی نعمتوں سے آخری حد تک بہرہ ور ہونے اور دنیاوی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دینے کے رجحانات ومیلانات میں اضافہ ہوتا رہا ہے، بلکہ اس کی دوڑ شروع ہوئی ہے تو اس وقت اہل تصوف نے اپنے پاکیزہ کردار، اپنی غیر معمولی روحانی قوتوں اور خود اختیار کردہ فقر کی روش سے ان میلانات کی روک تھام کا کردار ادا کیا ہے اور وہ رجوع الی اللہ کی تحریک اور سادہ زندگی اور یقین ومعرفت کے میلانات کے فروغ کا ذریعہ بنے ہیں۔

اس اعتبار سے ماڈرن صوفیوں کے کام کو دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ ان کے تصوف میں یہی ایک چیز موجود نہیں ہے۔ حالانکہ معاشرہ کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مادی زندگی پر مرمٹنے کی جو ادائیں جاری ہیں، اللہ کی محبت کے زیر اثر ان اداؤں پر کاری ضرب لگائی جائے اور انسانیت کو پامال کرنے والی مادی خوشحالی کی دوڑ پر قدغن لگائی جائے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس پُرفتن دور میں ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے بچائے اور سلف صالحین کی قرآن وسنت کی راہ پر گامزن فرمائے۔ (آمین) (ماخوذ از ماہنامہ بیداری)

ڈاکٹر اسرار احمد مرحومؒ

معاصر علماء و مشاہیر کی نظر میں

سید عبدالوہاب شیرازی

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ 14 اپریل 2010ء کو وفات پاگئے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت لاہور شہر میں گزارا۔ لاہور شہر کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ یہاں ایک اور عظیم شخصیت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ بھی مقیم رہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنی زندگی کے آخری خطاب میں فرماتے ہیں کہ میری مولانا احمد علی لاہوری سے دو مناسبتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے چالیس سال تک قرآن مجید کا درس دیا، الحمدللہ میں نے بھی اسی شہر لاہور میں چالیس اکتالیس سال درس دیا، دوسری مناسبت یہ ہے کہ میں نے جس مسجد میں درس دیا اس کا افتتاح مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ نے کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی وفات کے بعد ملک کے تمام اخبارات، رسائل، اور چینلز نے ان کے بارے میں اداریے، کالمز، مضامین شائع کئے اور مشہور شخصیات اور علماء نے اپنے تاثرات بیان کئے۔ ان مضامین اور تاثرات کو غازی محمد وقاص نے کتابی شکل میں جمع کر کے ''ڈاکٹر اسرار احمد کی یاد میں'' کے نام سے شائع کیا ہے۔ ویسے تو یہ کتاب ہر ایک کو پڑھنی چاہیے لیکن علماء نے اپنے تاثرات میں ڈاکٹر صاحب کے بارے میں کیا کہا اسے آپ بھی ملاحظہ کیجئے۔

مولانا اسلم شیخوپوری شہید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جن حضرات کو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی شخصیت اور فکر نے بہت زیادہ متاثر کیا ان میں ڈاکٹر اسرار صاحب کا نام بہت نمایاں ہے۔ وہ حضرت شیخ الہند کو حضرت شاہ ولی اللہ کی جامعیت کبریٰ کا عکس کامل اور اپنے آپ کو حضرت شیخ کے علوم ومعارف کا خوشہ چین اور فکری جانشین قرار دیتے تھے۔ آگے فرماتے ہیں دعوت الی القرآن کے حوالے سے ان کی خدمات کا انکار صریح ناانصافی ہوگی، حضرت شیخ الہند کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس نوجوان نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ اگر اس میں تھوڑی سی ترمیم کرتے ہوئے یوں کہا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا کہ ''ایک ڈاکٹر نے ہمیں ہمارا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا''۔ درس قرآن کے میدان میں جو چند اچھے لوگ سامنے آئے ان میں ڈاکٹر صاحب سرفہرست تھے۔ آگے فرماتے ہیں: نماز تراویح میں جو تلاوت کی جاتی ہے اس کے ترجمہ اور خلاصہ کا سلسلہ بھی ان کی حسنات میں سے ہے، ہماری معلومات کے مطابق یہ اپنی نوعیت کا پہلا تجربہ تھا اور ایک حد تک کامیاب بھی رہا۔ اپنی زندگی کے پچاس ساٹھ سال کتاب اللہ کے علم وحکمت کی اشاعت میں لگا دینا ہی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس پر ایک سچے مسلمان کو رشک آنا چاہیے۔ ڈاکٹر صاحب حق گوئی سے باز نہیں آتے تھے، اس حق گوئی کا مظاہرہ انہوں نے اس وقت بھی کیا تھا جب پی ٹی وی کی انتظامیہ نے ان کے درس میں خواتین کو بٹھانے پر اصرار کیا۔ انہوں نے اپنے مقبول عام پروگرام سے دستبرداری تو قبول کر لی، مگر بے حجاب خواتین کو درس میں بیٹھنے کی اجازت نہ دی۔ اس حقیقت کا اعتراف تو ان کے مخالفین بھی کرتے ہیں کہ وہ شرعی مسائل واحکام کی اتباع اور ان پر استقامت میں مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ امت کی نشاۃ ثانیہ کی تڑپ رکھنے والے اس خادم قرآن کے ساتھ اللہ عفو ودرگزر کا معاملہ فرمائیں گے۔ (ضرب مومن 29 اپریل 2010)۔

مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں: بلاشبہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اللہ نے خدمت قرآن کے لئے خاص جذبہ عطا کیا تھا۔ وہ پاکستان اور اسلام کے سچے سپاہی اور مخلص خادم تھے۔ ایک زمانے میں وہ ہمارے دارالعلوم کراچی کے پڑوس میں کچھ عرصہ کے لئے مقیم رہے۔ پانچوں وقت کی نماز دارالعلوم میں پڑھتے تھے، ہمارے ساتھ اس وقت بھی ان سے ملاقاتیں رہی ہیں، میں نے ہمیشہ ان کو اسلام اور پاکستان کے سلسلے میں مخلص پایا۔ اختلاف رائے ان سے کیا جاسکتا ہے اور ہوا بھی ہے لیکن یہ کہ پاکستان اور اسلام کے لئے ان کے اخلاص میں شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ ہم بہت مخلص خادم اسلام اور خادم پاکستان سے محروم ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات

بلند فرمائے۔(دنیا نیوز ٹی وی چینل)۔

مولانا عاصم محمود لکھتے ہیں: ڈاکٹر صاحب کی ذات میں خاصا تنوع تھا۔ وہ بہترین مقرر، مبلغ، مفسر اور مصنف تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد دنیائے اسلام کے لئے رول ماڈل تھے۔ وہ جہاں بھی رہے دین کو تقویت ملی۔ آپ کا شمار برصغیر کے جید علمائے کرام میں ہوتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب میں بڑا اہم وصف یہ تھا کہ جو کہتے تھے خود اس پر عمل کرتے تھے، انہوں نے اپنی زندگی اسلام کے لئے وقف کر رکھی تھی، ڈاکٹر صاحب نے ہمیشہ فرقہ وارانہ تعصبات سے بالاتر ہو کر نہ صرف ایک خطہ بلکہ پورے عالم اسلام کے اتحاد و یگانگت کے لئے بھرپور آواز اٹھائی۔ وہ اپنی ہر گفتگو اور بیان میں پاکستان کو سود سے پاک کرنے پر زور دیتے تھے۔(ماہنامہ چراغ اسلام)۔

مولانا محمد زاہد صاحب لکھتے ہیں: ڈاکٹر صاحب نظام خلافت کے بہت بڑے شعوری علم بردار تھے اور اس کے لئے حکمت عملی اور طریق کار کے سلسلے میں اپنا واضح ذہن رکھتے تھے جس سے دوسرے منکرین کو اتفاق بھی ہو سکتا ہے اور اختلاف بھی۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے بہت بڑے مداح اور خود کو ان کا پیروکار قرار دیتے تھے۔ ان کی جدوجہد کا اہم پہلو یہ تھا کہ وہ رجوع الی القرآن اور عوام میں قرآن کی ترویج و اشاعت کے بڑے علمبرداروں میں سے تھے، یہ ان دونکتوں میں سے ایک ہے جس کی طرف شیخ الہند نے بھی اپنی زندگی کے آخر میں علماء کو خصوصی طور پر متوجہ کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی بعض آراء یا حکمت عملی سے اختلاف کیا گیا لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کی رحلت ایک مخلص اور محنتی داعی دین اور خادم قرآن کی رحلت ہے۔(ماہنامہ الصیانہ)۔

مولانا قاری منصور احمد لکھتے ہیں: ان کی دو باتیں مجھے اچھی لگتی تھیں۔ ایک تو وہ دین دار تھے اور پکے دین دار، کالج یونیورسٹی کی تعلیم نے ان کا کچھ نہیں بگاڑا تھا۔ انہوں نے داڑھی رکھی تھی، پوری داڑھی اور خوب ٹھوک بجا کے، اس کا پرچار اپنے متعلقین میں کیا کرتے، وہ بڑی داڑھی کو ہی داڑھی سمجھتے تھے، وہ اپنی شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھتے تھے، واضح طور پر اونچی بغیر کسی معذرت کے۔ ان کے گھرانے میں شرعی پردہ تھا، مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میری اہلیہ پردہ تو کرتی تھی مگر میرے کہنے پر۔ ان کو تو دل کی پوری رضامندی سے قائل کرنے کا ذریعہ ڈاکٹر صاحب کی دختر نیک اختر ہی بنیں۔ وہ پکے دین دار تھے، انہوں نے شادی بیاہ سے ہندوانہ رسوم اور دیگر خرافات کے خاتمے اور سنت نبوی کے مطابق اسے انجام دینے کے لئے مثالی کردار ادا کیا۔ دوسری بات جو مجھے ان کی اچھی لگی وہ ان کی سادگی تھی۔ ڈاکٹر صاحب میں اور بھی بہت سی چیزیں اچھی ہوں گی، ہوں گی کیا، بلکہ تھیں۔(ضرب مومن 30 اپریل 2010)۔

مولانا زاہد الراشدی مدظلہ لکھتے ہیں: ان کی وفات سے پاکستان میں نفاذ شریعت کی جدوجہد جس کا میں خود بھی ایک کارکن ہوں ایک باشعور اور حوصلہ مند رہنما سے محروم ہوگئی۔ شیخ الہند رحمہ اللہ نے آئندہ جدوجہد کے لئے تین نکات کا ایجنڈا پیش کیا: (۱)۔ مسلمان باہمی اختلافات سے گریز کرتے ہوئے متحدہ کردار ادا کریں۔ (۲)۔ قرآن کریم کی تعلیمات کے فروغ اور عام مسلمانوں کو قرآن کریم سے شعوری طور پر وابستہ کرنے کے لئے ہر سطح پر دروس قرآن کا اہتمام کیا جائے۔ (۳)۔ مسلمان اپنے شرعی معاملات طے کر کے امارت شرعیہ کا قیام عمل میں لائیں اور ایک باقاعدہ امیر منتخب کر کے اس کی اطاعت میں کام کریں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا موقف تھا کہ وہ شیخ الہند کے اسی تین نکاتی پروگرام کو آگے بڑھانے کے لئے کام کر رہے ہیں جبکہ ان کے بقول شیخ الہند کے تلامذہ اور ان کے حلقے کے لوگ اس ایجنڈے پر قائم نہیں رہ سکے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے اس موقف سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن یہ شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ وہ خود اسی ایجنڈے پر کام کرتے رہے اور انہوں نے اس مقصد کے لئے ملک بھر میں احباب اور رفقاء کا ایک پورا حلقہ تیار کیا تھا جو اب تنظیم اسلامی کے نام سے سرگرم عمل ہے۔

لاہور میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے ذوق اور رہنمائی کے مطابق قرآن کریم کے دروس کے آغاز کا اعزاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اور ان کے تلامذہ کو حاصل ہے مگر ان کے حلقہ سے باہر اس ذوق کو بڑھانے میں اگر میری اس بات کو مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے تو ڈاکٹر اسرار احمد کی جدوجہد سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے نفاذ اسلام کے لئے مسلسل جدوجہد ہی نہیں کی بلکہ اسلامی نظام کی اصل اصطلاح خلافت کو زندہ رکھنے اور نئی نسل کو خلافت کی اصطلاح سے مانوس کرنے کے لئے بھی اہم کردار ادا کیا۔ وہ ایک امیر کی بیعت اور اس کی اطاعت میں کام کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور ان کا زندگی بھر اصرار رہا کہ ایک امیر اور اس کے ساتھ سمع وطاعت کا تعلق دینی تقاضوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ دیں۔(ماہنامہ الشریعہ)۔

مولانا شیخ رحیم الدین لکھتے ہیں: آپ کے دروسِ قرآنی میں علامہ اقبال کا سوز دروں، فراہی واصلاحی کا تدبر وتعمق، ابوالکلام کا غلبہ واقامت دین کا حرکی تصور موجزن نظر آنے لگا۔ نیز ادبیت کی چاشنی سے معمور یہ دروس شیخ الہند مولانا محمود حسن اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کے رسوخ فی العلم کا پرتو بننے لگے۔ نئی دہلی میں سید عرب شاہ کے نام سے ایک صاحب مشہور ومعروف ہیں، وہ میوزک اور فلم وغیرہ کی سی ڈیز بنانے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے گھر میں سٹوڈیو بھی بنا رکھا تھا، کسی حوالہ سے ایک دفعہ انہوں نے محترم ڈاکٹر صاحب کا درس قرآن سن لیا بس پھر کیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو قرآن کی نشر واشاعت کے لئے کھول دیا، انہوں نے گزشتہ کاروبار کو خیرباد کہا، لاکھوں روپے کا نقصان اٹھایا اور جسم وجان کی تمام توانائیاں صرف اس کام میں لگا دیں کہ ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کی سی ڈیز وڈی وی ڈیز لاکھوں نہیں کروڑوں کی تعداد میں تمام انڈیا میں پھیلا دیں۔ (ندائے خلافت)۔

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک میں اس کے مدیر لکھتے ہیں: ڈاکٹر صاحب کی پوری زندگی جہد مسلسل، دعوت قرآن کو پھیلانے اور اسلامی فلسفے کی ترویج اور دین کی اشاعت کے لئے گزری۔ ڈاکٹر صاحب جیسے باکمال اور منفرد اور گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کا احاطہ ایک طالب علم کے لئے ناممکن ہے، آج قلم متحیر ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے کس کس پہلو پر روشنی پہلے ڈالی جائے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کا قرآن کے ساتھ عشق اور شغف کا اعجاز ہی تھا کہ دعوت قرآن اور ڈاکٹر صاحب کا نام پاکستان اور دوسرے ممالک میں لازم وملزوم بن گئے۔ گو کہ ڈاکٹر صاحب کی اپنی علمی تفردات اور ذاتی آراء سے کئی حلقوں کو اختلاف بھی رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس گئے گزرے بے دین اور خصوصا قرآن سے دور بھاگے ہوئے معاشرے میں دعوت قرآن کو پھیلانا اور اس کو عوام میں سمجھانا اور قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنا ڈاکٹر صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب جیسی بڑی عبقری قومی، ملی، علمی اور تاریخی شخصیت کا بچھڑنا پاکستان اور خصوصا دینی حلقوں کے لئے انتہائی دکھ اور درد کی علامت ہے۔(ماہنامہ ''الحق'' 2010)۔

مدیر ماہنامہ ''الحسن'' لکھتے ہیں: ڈاکٹر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ فتویٰ نہیں دیا کرتے تھے۔ جب بھی ان سے کوئی شرعی مسئلہ یا فتویٰ پوچھتا تو وہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ میں مفتی نہیں ہوں۔ مسئلہ پوچھنا ہو تو جامعہ اشرفیہ کے دارالافتاء سے پوچھو۔ ڈاکٹر صاحب کے دروسِ قرآن میں بڑی کشش اور علمی معلومات ہوتی تھیں، ان کا درس انتہائی محققانہ ہوا کرتا تھا۔

ہم سفر و ہم خیال

طارق نعیم

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل کو جذبات و احساسات کا ایک گھروندہ بنایا ہے، دنیا بھر کے تمام اِنسان فطری اور جبلی طور پر مختلف قسم کے احساسات و جذبات کے حامل ہوتے ہیں۔ کروڑوں کی تعداد میں پائے جانے والے انسانوں میں یہ بات مشترک ہے کہ ہر انسان اِن بے شمار لوگوں کے مابین اپنے ہم خیال لوگوں کو ڈھونڈتا اور تلاش کرتا ہے تاکہ اُن کے ساتھ اپنا مافی الضمیر بیان کر کے اِن کی ہم خیالی کی داد وصول کر سکے، اپنے جذبات و خیالات کو تسلی اور تشفی دے سکے، خاص طور پر جب لوگ کسی خاص نظریہ سے جُڑے ہوئے ہوں تو اُن کے دلوں میں یہ احساسات اور بھی زیادہ مچلتے و موجزن ہوتے ہیں، اُن کے مابین کوئی نظریہ ہی جب اصل قدر مشترک ہو اور وہ یہ خیال کریں کہ وہ لوگ تو زمین میں مختلف مقامات پر موتیوں کی مانند بکھرے ہوئے ہیں ایسے میں اُن کے دلوں میں ایک دوسرے کو باہم یکجا دیکھنے کا عزم بھی عین فطری امر ہے، اس بات کا تعلق ہر دور، ہر علاقہ، ہر نسل و ہر قوم سے رہا، بڑے بڑے اجتماعات یا تہوار اور میلے اِسی بنا پر وجود میں آتے رہے، یہی معاملہ مختلف مذاہب کے لوگوں کا بھی رہا، ایک ہی علاقے اور ملک کے مختلف المذاہب لوگ اپنے تہوار و رسوم بھی کسی بڑے میدان میں جمع ہو کر ہی مناتے جو عموماً کسی خاص دن یا موقع کی نسبت سے ہر سال منعقد ہوا کرتے، ان دنوں میں ایک عید کی خوشی حاصل ہوتی، باہم جمع ہونے میں ایک جذبہ محرکہ مخالف نظریہ پر اپنی اجتماعی اکثریت کا رُعب دلانا بھی شامل رہا، نظریہ توحید اور شرک ہمیشہ آمنے سامنے رہے، شروع سے انسانوں کی اکثریت شرک ہی میں مبتلا رہی اور جو بھی سلیم الفطرت لوگ توحید پر قائم رہے اُن کے مابین اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ایک الفت اور محبت ڈالی، ایک دوسرے سے مل کر اُن کو تقویت حاصل ہوتی، اس کے باوجود کہ وہ زمین میں دُور دُور بکھرے ہوتے مگر اُن کی آپس میں ملنے کی خواہش بھی شدید ہوتی، وہ جب باہم ملتے اُن کی خوشی اور ایمان میں بہت اضافہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے دین فطرت (اسلام) کو پسند فرمایا اور اُن کی اِس فطری آبیاری کے لیے جو نظام صلوٰۃ و عبادات عطا فرمایا اُس میں اُن کے احساسات کا اتنا زیادہ خیال رکھا کہ اللہ والے ہر روز پانچ بار قریبی مسجد میں جمع ہو کر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوں، پھر ہفت روزہ قدرے بڑا اجتماع (نماز جمعہ) کسی بڑی مسجد میں، اِسی طرح عیدین بھی کسی بڑے میدان میں اور زندگی میں کم از کم ایک بار (اگر استطاعت ہو) میدانِ عرفہ میں حج کے موقع پر اجتماع ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اِن سب اجتماعات میں ایمان و علم کی بڑھوتری کے لیے خطابات کا سلسلہ ساتھ جوڑا۔

دین اسلام کی تکمیل جو نزول قرآن اور آپ ﷺ کی ختمِ نبوت کی شکل میں ہو چکی، کے بعد آپ ﷺ کے حکم سے دین کو قائم کرنے (اور اگر قائم ہو تو قائم رکھنے) اور دوسروں تک پہنچانے کا کام اب اُمت ہی کے افراد کے ذمہ ہے۔ یقینی بات ہے کہ اتنے بڑے کام کے لیے اجتماعیتوں اور قافلوں کا وجود میں آجانا بھی فطری امر ہے (بے شک منزل سب کی ایک ہی کیوں نہ ہو)۔ ان اجتماعیتوں اور قافلوں کی حقیقی بنیاد بھی ہم فکری و ہم خیالی کی بنا پر وجود میں آتی ہے، ایک جیسی فکر پر اکٹھے ہونے والے یہ لوگ مختلف مواقع پر اپنے اپنے اجتماعات میں جمع ہو کر اپنے نظریہ اور ایک دوسرے کے لیے تقویت کا باعث بنتے ہیں۔ ان ہی قافلوں میں ایک قافلہ تنظیم اسلامی بھی ہے جو ایک نظریہ پر وجود میں آیا، اِس میں شامل رفقاء کی ایک فکر اور سوچ ہے، جو اِس بات پر یکجا ہوئے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ کا عطا کردہ دین (اسلام) جو نظام عدل و قسط اجتماعی پر قائم تھا، جس نے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے آزاد کرا کے مالکِ حقیقی کی غلامی (بندگی) میں ڈھالا، اس زمین پر صرف اللہ کی حکمرانی قائم کی اور ہر انسان کو اُس کا جائز حق دلوایا، جس کی برکات پوری انسانیت نے آپ ﷺ اور اُن کے خلفاء راشدین کے دور میں دیکھیں۔ وہ نظام اپنوں کی سادگی اور اغیار و کفار کی سازشوں کے باعث دنیا میں قائم و نافذ نہ رہا۔ اب انسانیت پھر طاغوتی نظام میں اُسی طرح جکڑی جا چکی ہے جس طرح آپ ﷺ کی بعثت سے قبل جکڑی ہوئی تھی اور اللہ کے دین کے غلبے کی بجائے انسان ہی انسانوں پر غالب ہیں اور ظلم ڈھا رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنی فلاح اُخروی کی خاطر اُسی نہج اور طریقہ پر اب دوبارہ اُس عظیم نظام کو قائم کرنے کی مخلصانہ کوششیں کرنی ہوں گی جس طرح آپ ﷺ اور اُنکے صحابہؓ نے کیں۔

تنظیم اسلامی نے اس کام کے لیے اپنا نظام تربیت اُسی فطری نہج پر بنایا ہے کہ ایک ہی محلّہ کے لوگ جو ایک ہی مسجد کے نمازی بھی ہوں، اُس سطح پر باہمی اخوت پر اُسرہ (خاندان) کی بنیاد ڈالی تاکہ اُن کے مابین حقیقی الفت، محبت، ہمدردی، باہم دکھ سکھ اور خوشی و غمی میں رفاقت پیدا ہو، اِن افراد کو باہم رفیق بنا کر ایک نقیب (نگران) کے ذریعے تربیت دی جاتی ہے، پھر چند اُسروں پر مشتمل ماہانہ تربیتی اجتماع اور حلقہ کی سطح پر سہ ماہی تربیتی اجتماع ہوتے ہیں۔ پھر سال میں ایک بار ملکی سطح پر (بلکہ عالمی سطح پر کہا جائے تو قطعاً غلط نہ ہوگا) سالانہ اجتماع میں تمام ہم فکر لوگوں کو مجتمع ہونے کا انتظام کیا، وہ مشترکہ اجتماع جہاں وہ باہم ملیں، ایک دوسرے سے رابطے کریں، تبادلہ خیال کریں اور اُس مشن کے لیے ایک دوسرے کی ڈھارس بندھائیں جس کے لیے یہ قافلہ وجود میں آیا، اِن تمام اجتماعات کے مواقع پر سینئر رفقاء کی صحبت میں ایمان و علم کی آبیاری (بالکل جیسے موبائل فون کی بیٹری کو چارج کرنے کے لیے کسی بڑی بیٹری سے جوڑا جاتا ہے) کے لیے ایمان افروز خطابات کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس سے ان کے دلوں کو حرارتِ ایمان بھی ملتی ہے اور آگے چلنے میں حوصلہ، مدد اور راہنمائی بھی۔ اِس تمام تر سعی خصوصاً سالانہ اجتماعات سے اصل مستفید تو وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے قلوب و اذہان میں اُن کا نظریہ خوب جڑیں جما چکا ہوتا ہے جسے اپنی نشوونما کے لیے (ایک طرح سے) خوب بارش کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی وہ رفقاء جو اپنے محلّہ میں قائم کردہ ہفتہ وار حلقہ قرآنی و اجتماع اُسرہ اور دیگر تربیتی اجتماعات میں خود (بغیر کسی کے یاد دلانے کے) باقاعدگی سے شرکت کرتے ہوں، البتہ وہ رفقاء جو اِس قافلہ میں پیچھے رہ جانے والے ہوں یا قدرے آہستہ چل رہے ہوں (جنہیں بار بار ہاتھ پکڑ کر چلایا جاتا ہو) کو بھی سالانہ اجتماع سے کچھ نہ کچھ تو یقیناً حاصل ہو ہی جاتا ہے۔ یہاں ہم سب کے سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ۔۔۔ کیا ہم سب رفقاء اپنی تمام تر قوت باہم ایک دوسرے پر ہی خرچ کرتے رہیں گے یا اپنے کام اور مشن کو دوسروں تک پہنچا کر منزل پر جلد پہنچنے کی بھی کوئی فکر کریں گے؟

اس سال کے سالانہ اجتماع پر ہم سب کے لیے یہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے۔

Quetta carnage: Who is to blame?

The sun dawned with the news of loss of 60 lives in Quetta in yet another national tragedy, as the country bore brunt of year's deadliest militant attack on security forces in Baluchistan where wounds of Aug 8, 2016 suicide blast were still fresh.

It was 19th attack on any security installation or government building by terrorists in past 10 years, but even though we have hardly learnt a lesson, with no change in our political, national and social behavior as well as in the media landscape could be witnessed.

There were same condemnations, blame games, passing of the buck, years old rhetoric, totally loud, confused and empty talks, tall claims and mudslinging, but no confession or acceptance of responsibility at all.

With constant breaking news and bleeding red screens in television channels, the provincial governments of KPK, Punjab and Baluchistan announced days of mourning, high-ups flew to the scene, inquired after injured, had media talks, chaired meetings and expressed their 'resolve' that this would not happen again.

But is all this enough to console the victim families?

Each tragedy leaves behind the above scenario after every couple of months and a trail of questions too, which we refuse to answer, yet no heads roll as far as the authorities responsible for averting such incidents is concerned.

Is anyone from us willing to quit and accept the responsibility regardless of his rank and office? Will anyone dare leave his chair only for the sake of the nation? Would anybody? I don't think so, perhaps we have made up our minds to observe 'days of mourning', and we are happy with it.

As was expected, Prime Minister Nawaz Sharif and army chief General Raheel Sharif reached Quetta, chaired a 'high-level' security meeting and directed all law enforcement agencies in the province to take strict action against banned outfits.

But dear bigwigs! What about the National Action Plan? Who is behind making it a National 'Inaction' Plan? Did any of the meeting participants answer about it? Would anyone bother tell us why these terrorists with 'broken backs' make it every time to carry out brazen attacks on security forces?

The army and Rangers had pledged to break the nexus between corruption and terrorism, so have they done it? What are the obstacles? Does anyone remember that promise?

"The premier called for better inter-agency coordination between police, Frontier Corps and intelligence agencies."

It means there was no coordination among law-enforcers, that resulted in the attack. And if so, which agency/ institution or department will be held responsible? Will the PM accept responsibility of inaction at his end?

"It was decided that the matter of Afghan and Indian intervention in Baluchistan will also be taken up at a diplomatic level."

But why did it was not taken up so far? What we were waiting for? Aren't the proofs like captured militants and RAW officer Kalbhoshan Yadev inadequate to build our case on regional or international level?

Despite pledges to jointly tackle the menace, is there any serious rift between the civilian and military leaderships that is serving as hindrance in the way of rooting out militants.

Questions upon questions, but no answers at all...

***Source Adapted from:* an article by Zamir Hussain Laghari**

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً﴾

تنظیمِ اسلامی کا سالانہ

کُل پاکستان اجتماع

25، 26، 27 نومبر 2016ء

(بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار)

بمقام

مرکزی اجتماع گاہ، بہاولپور

منعقد ہو رہا ہے (ان شاء اللہ العزیز)

خالصتاً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا و محبت کو اپنے حق میں واجب کرنے،
نظم کو مستحکم اور امیر تنظیم کی تقویت کے لیے
تمام رفقاء کو شرکت کی بھرپور دعوت ہے
تفصیلات کے لیے اپنے مقامی نظم سے رجوع کیجیے!

المعلن: ناظم اعلیٰ، تنظیم اسلامی فون: (042)36293939-36316638
36366638

VOL : 25 Regd. C.P.L NO. 114 No.43

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

Acefyl cough syrup

On the way to Success

Acefylline piperazine + diphenhydramine HCl

پاکستان کا مقبول ترین
کھانسی کا شربت

بچوں اور بڑوں کیلیے
یکساں مفید

120 ml
ACEFYL
COUGH SYRUP
(Acefylline Piperazine and Diphenhydramine HCl)
Cough And Cold Treatment

PHARMA

NABIQASIM INDUSTRIES (PVT) LTD
5th Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road, Karachi-Pakistan
Email: info@nabiqasim.com website: www.nabiqasim.com UAN 111-742-762

Your Health Our Devotion